

بارگاہ خسرو جہاں شاہی خلداتِ ملکہ سلطنت

CHECKED

سالہ انصاف گاہ ہوم آباد ہماچلی

Checked  
1987

CHECKED 1995



عائینجا تقدس آج حضرت مولانا فضیلت جنگ علیہ الرحمۃ تاج الدین صاحب جہات

تالیف کرا ماتھا

اور جو بعد وفات حضرت موصوف بعد پسندیدگی مجلس علم و شہین جہان عظیم

دارالطبع سرکار عالی ہرچھا پور

محکمہ صدر العالمہ سرکار عالی واقع اندرون چادر گھاٹ آباد دکن

طبع ہندوستان

# أَهْلًا وَثَقَاتًا

بعد ان استتب امر تاليف الرسالة وعرضها على نخبته مخصوصة من الاعيان و  
 حصل ايجاز منهم على صحتها لي ان اجعلها مقدمة وهدية الى محضرة العلية السنية  
 لمن هو البدر التمام في سماء الملك والرياسة والشهم الهام في التدبير والرياسة  
 المكرم والرئيس الفخيم ناصر الاسلام والمسلمين محي الملة والدين السلطان السلطان  
 والنخاعان ابن النخاعان النواب مير عثمان عليخان بهادر نظام الملك آصفياه  
 السابع خلق الله ملكه وسلطنته وابد الله عزه واقباله وحمل كنهه

## فَالْمَجْرُ

من غناية العلية ومراحمه الملكوتية ان يرخ الاجارة الكريمة لاني يتقنون في الرتبة  
 (باسم الله السامي هذا الحق بلكم في نعمته)

# سَوَالَتِ مَشْرُوطِ اِمْتِحَانِ سِتْجَادِ گِی مَعَ جَوَابَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ صَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَا لَیْكَ یَوْمَ الدِّیْنِ۔  
اَیَّاكَ نَعْبُدُ وَاَیَّاكَ نَسْتَعِیْزُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ  
صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرَ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ  
وَالضَّالِّیْنَ۔ آمِیْنُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ  
كَمَا صَلَّيْتَ وَسَلَّمْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرٰهَیْمَ وَعَلٰی اٰلِ  
سَیِّدِنَا اِبْرٰهَیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ

## الاجل

فهذا ما اتيج لي وتفتح ، افيض عني من سفرة الرحمن الملك المستعان عز وجل بجاه  
سيد المرسلين ومعلم علوم الاولين والآخرين واتباعه الكرام والسادة العظام صلى الله  
وسلم عليهم وعليهم اجمعين من ترتيب رسالته نافعة لمن يريد فهم تحقيق المعارف  
والاسرار المتأثرة عن السلف الاخير والصوفية الابرار قس من اسرارهم بشارة  
سمو حضرة البروج شيخ الاسلام وصدور الصدور معين الهام في الامور المنهجية بالنظام  
مولانا الحاج السكاكط المحقق المولوي محمد انوار الله خان بهادر فوج الله قدس  
ثم اعني بها وتني عطفه اليها سمو حضرة الفاضل الشهم الباذل عمدة الايمان و  
دبده اشرف الزمان شيخ الاسلام في الملكات الاصفية صدر الصدور في الامور  
مولانا مولوي محمد حبيب الرحمن خان الشرواني لازالت ايامه محفوظا بالانوار  
سبحته القرآن المجيد والسبع الثاني .

هذا وانا بعزت تقصير باعني وتقدير اعمى حامد السؤل ان يفيد بها  
سكاكط الانام لا يساها الشيخ الكرام في ملكات النظام ويصونني عن انحطال ومنزلت الاقدام



وهو الموفق للسداد وعليه التكلان والاعتماد.

وانا تراب نعال حضرات القادريه الشطاره

العبد الضعيف الملائم

سيد شاه محمد ابوالقاسم كان الله

مقام

احاطه موسى باولي.

حسيني علم



## سوالات مع جوابات متعلقہ امتحان پنجابی

— (•) —

س<sup>(۱)</sup>۔ اسلام۔ ایمان۔ احسان۔ کی محل تعریف کیجئے۔

ج<sup>(۱)</sup>۔ جانتا چاہئے کہ تیناً و تبرکاً اس حدیث کو یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں یہ تینوں لفظ مع اُنکی تعریف کے وارد ہیں و ہو ہذا الخ بخاری

وسلم۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے

بینا نحن بعند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایک دن کا ذکر ہے کہ ہم حضرت رسول خدا صلی

علیہ وسلم ذات یوم اذ طلعت علینا علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے۔ یکا ایک

رجل شدید بياض الشیاب شدید شفق کپڑوں والا اور خوب

سواد الشعر لایری علیہ اثر السفر کالے بالوں والا جسکی ہیئت سے سفر کی کوئی

علامت نہیں معلوم ہوتی تھی اور نہ ہمارے

اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَاعَةِ كُنْوَئِهِ سَبْعًا مِائَةً وَخَمْسِينَ  
 فَاسْتَدْرَكَ بَيْتَهُ اِلَى رُكْبَتَيْهِ وَضَمَّ صُلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْسَ بِاسْمِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 كَيْفَ عَلَى فَخْذِهِ يَرْقَى قَالَ يَا مُحَمَّدُ ذَاكَ حُضُورُكَ زَيْنُ الْعَمَرْ كَيْسَ  
 اخْبَرَنِي عَمَّا سَأَلْتُكَ اَلَا سَلَامُ قَالَ اَلَا سَلَامُ لِي بِكَ لِي بِكَ لِي بِكَ لِي بِكَ  
 اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ وَ تَقِيْمُ الصَّلَاةَ  
 وَ تَوِيْطُ الزَّكَاةَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ اَنْ تَعْلَمَ اَنْ اَسْلَمَ بِكَ اَنْ تَعْلَمَ اَنْ اَسْلَمَ بِكَ  
 وَ تَحْمِلُ الْبَيْتَ اَنْ اَسْطَعْتَ لِيْهِ خَدَاكَ كَوْنِيْ مَبْعُوْدًا مِنْ اَوْفَرِ  
 سَبِيلٍ اَلَا قَدْ صَدَقْتَ فَحَبْنَاهُ خَدَاكَ بِيْهِمْ هُوَ هِيَ اَوْفَرِ كَيْسَ  
 هَيْسَلُهُ وَ يَهْدِيْهِ قَدْ قَالَ فَاخْبِرْ بِرُحَاكَ وَ اَوْفَرِ كَوْنِيْ مَبْعُوْدًا مِنْ  
 عَمَّا اَلَا اِيْمَانُ قَالَ اَنْ تَوِيْمُنْ بِاللَّهِ رُوْزُكَ رُحُوْا وَ رُحُوْا وَ رُحُوْا  
 مَا اَلَا كُنْتُمْ وَ كُنْتُمْ وَ رُحُوْا وَ رُحُوْا وَ رُحُوْا وَ رُحُوْا وَ رُحُوْا وَ رُحُوْا  
 الْاُخْرَى وَ تَوِيْمُنْ بِالْقَدْرِ خَيْرُهُ وَ شَرُّهُ كَيْسَ هِيَ بِيْهِمْ هُوَ اَوْفَرِ كَوْنِيْ

قال صدقت قال فاخبرني كرتا ہے پھر کہا کہ ایمان کیا ہے بتاؤ آپؐ فرمایا

عن الاحسان قال <sup>اللہ</sup> من تعبدہ ایمان یہ ہے کہ تم یقین کرو خدا کا اور اسے شریعت

کا نام نہ تراہ فان لم تکن اس کی منکر کتابوں کا اور اسے رسولوں کا اور نبی

تراہ فانہو یراک الخ کے دن کا اور بھلی بُری تقدیر کا عرض کیا کہ آپ

سچ فرماتے ہیں پھر کہا کہ بتائے احسان

کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ

تم خدا کی اسطرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے

دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو یوں

سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ الخ

اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ چار بے دین پاک کے تین درجے ہیں ایک ابتدائی

دوسرا متوسط۔ تیسرا اعلیٰ۔ ابتدائی درجہ اس دین پاک کا اسلام ہے۔ اور متوسط

ایمان اور اعلیٰ احسان۔

وہ جو اسلام اور مسلمان کے معنی لغت میں اطاعت اور تسلیمِ حق کرنا ہے اس لیے کہ

تعریف یہ ہوئی کہ احکام خدا و رسول پر گردن جھکانا اور ان کو تسلیم کر لینا اور  
پایہ پیروں ضروری قرار دینا ہے جو بطور علامت کے ہیں اور جبکہ تسلیم کئے بغیر  
اس دین کا اطلاق کسی پر درست نہیں ہو سکتا۔

(۱) اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق یعنی پرش کے لائق نہیں  
اور حضور اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول برحق ہیں۔  
(۲) نماز کی روزانہ پانچوں وقت پابندی۔

(۳) زکات کا سالانہ ادا کرنا۔ یعنی ضروریات خانگی سے بچے ہوئے نقد و پیسے  
تقریباً ڈھائی فیصدی اور دیگر اقسام اموال میں حسب احکام فقہی مفصلہ کتب فقہ  
(یہ دیگر اپنے ہم مذہب عاجز مندوں کی حاجت براری کیلئے ہے)۔  
(۴) رمضان کے پورے مہینے کے روزے۔

(۵) اگر حسب شروط احکام فقہی مسطورہ کتب فقہ استطاعت حاصل ہو تو عمر میں کیا  
حج ادا کرنا۔

ح) واضح ہو کہ اس درجہ کا تعلق ظاہری سیاست اسلامی برمنی سے یعنی حاکم اسلام

یا قاضی کے پاس دہی شخص مسلم قرار پائیگا جو ان پانچوں امور کو تسلیم کرے۔ خواہ وہ  
وہ تصدیق کرے یا کسی مصلحت دنیاوی کی بناء پر۔ منافقوں کو جو دل سے اسلام کے  
منکر اور نہی پر عمل نہیں کرتے، ان کے پاس یہوں دائرہ اسلام میں شریک سمجھا جاتا ہے۔ اور اسکے  
کافروں کی طرح بڑا ٹوٹا نہیں کیا جاتا غرض کہ یہ درجہ دین کا سب کچھ ختم ہے اور یہ  
نجات اخروی کیلئے عند اللہ کافی نہیں جب تک کہ اسکے ساتھ ایمان یعنی تصدیق  
قلبی نہ ہو جبکہ ذکر آئندہ آتا ہے ہاں البتہ یہ اعتباراً و قضائاً عند الناس نجات  
دنوی کے لئے کافی ہے کہ اس سے ایسے شخص کی جان و مال و متاع و اہر و  
مثل مومن کے محفوظ ہو جاتی ہے اور وہ کفر کے مواخذہ سے بچ جاتا ہے۔

وجہ ایمان | لغت عربی میں اسکے معنی دلی تصدیق اور یقین کرنے کے ہیں  
اور یہی وہ چیز ہے جس سے ایک منافق اور سچا مسلمان دونوں ایک دوسرے سے  
متماز ہو سکتے ہیں۔ اور یہی نجات اخروی کیلئے عند اللہ ضروری ہے اور وہ  
حب ذیل امور کا دل سے یقین کرنا ہے۔

(۱) خدا و انوار ذات و صفات میں تمکنا ہے۔

(۲) اُسکے فرشتے برحق ہیں جو ایک قسم کی نورانی مخلوق ہے جو خدا کے احکام پر دوا  
نظام سو فرق کے قائم ہیں۔

(۳) اُسکے سب رسول اور پیغمبر برحق ہیں اور وہ اُسکے مقبول اور برگزیدہ بند ہیں جو  
خدا نے دنیا کی ہر ایک قوم میں سے اپنی دینی اور دنیوی ہدایت اور اصلاح کیلئے  
منتخب فرمایا تھا اور اُنپر کتابیں یا احکام نازل فرمائے ہیں۔

(۴) اسکی الہام کی ہوئی کتابیں و صحف جو اُسکے نبیوں کو دی گئی ہیں یہ سب حق ہیں  
مثلاً توریت حضرت موسیٰ کو اور زبور حضرت داؤد کو اور انجیل حضرت  
عیسیٰ کو اور قرآن پاک ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور  
دوسرے صحف دیگر انبیاء علیہم السلام کو۔

(۵) قیامت حق ہے جس میں دنیا کے کئے ہوئے اعمال و اقوال کا بخوبی بدلہ دیا جائے گا  
(۶) تقدیر کا معاملہ بالکل حق ہے یعنی دنیاوی زندگی میں جو جو باتیں انسان کو امی  
یا بُری پیش آتی ہیں وہ سب خدا ہی کی طرف سے ہیں۔

ف واضح ہے کہ نجات آخری اویکو حاصل ہو سکتی ہے جسے ایمان و تقویٰ

اور اسلام نصیب ہو چنانچہ اسی ایمان کے نہونے سے منافقوں کو باوجود اس کے  
ظاہری احکام اسلام کے دائرہ میں شریک رہنے کے انکو فی الدرب الاسفل من النار  
اور کافروں سے بدتر فرمایا گیا ہے نیز قرآن مجید میں ان اعرابیوں یعنی یہاں  
بدویوں کو سزائے کی گئی ہے جو امانا لکھ کر ادا مانے ایمان کرتے تھے فَاَلَمْ يَكُنْ اِذَا  
قُلْ لَكُمْ تَوَمَّنَا وَلَكِنْ قُولُوا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ  
یعنی بدو کہتے ہیں ہم ایمان لائے کھدو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم  
اسلام لائے اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان نہیں پہنچا۔

وَرَبُّ احْسَانِ لغت میں احسان کے معنی نیکو کاری اور اچھا کام کرنا ہے  
اور خدا کے ہاں سب سے اچھا کام وہی مقصور ہو سکتا ہے جس نے انسان  
دنیا میں پیدا کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی معرفت حاصل کرے  
اور اس کے صفات و اخلاق سے متصف ہو کر اپنے آپ کو سچا خلیفہ اور جانشین  
زمین پر ثابت کرے یعنی انسان کمال بنے اسی خلافت و کمال کا حاصل کرنا  
جسے اصطلاح میں تصوف و علم طریقت کہتے ہیں اس دین پاک کا درجہ احسان



اور اسکا خلاصہ بزرگان دین کے نزدیک تصحیح خیال مع اللہ و اصلاح نیت  
 فی الاعمال کہلہا ہے۔ یعنی جو اعمال کئے جاویں وہ خالصاً و مخلصاً خاص خدا کیلئے  
 کئے جاویں اور یہ سمجھ کر کئے جاویں کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور ہم اُسے دیکھ رہے ہیں  
 یا وہ ہمیں دیکھ رہا ہے غرض کہ ہر کام میں بلکہ ہر اک میں اس حضوری و رابطہ قلبی مع اللہ کا  
 پیدا کرنا ہی اصلی غایت اس دین پاک کی اور یہی منزل مقصود صوفی اور سالک کی ہے  
 اور سارے طریقے عبادت کے سب اسی مطلب کیلئے شروع کئے گئے ہیں

س (۲) ارکان اسلام کیا ہیں ؟

ج (۲) اسکے قبل حدیث ارکان اسلام کی تشریح کے ضمن میں معلوم ہو چکا  
 ہے کہ یہ کل پانچ ہیں (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) روزہ (۵) حج -

س (۳) ایمان تفصیلی کیا ہے -

ج (۳) حدیث کی تشریح میں صراحت ہو چکی ہے کہ وہ چھ امور ذیل کا دل سے  
 یقین کرنا تفصیلی ایمان ہے -

(۱) خدا کی وحدانیت (۲) فرشتوں کا وجود (۳) کتب و صحف سماویہ کی حقانیت -

(۴) تمام انبیاء و مسلمین کی صداقت (۵) روز قیامت اور اسکی جزا اور سزا کی سچائی -  
 (۶) تقدیر خداوندی اور ہر خیر و شر کے خدا کی طرف سے ہونے کی حقیقت -  
 س (۴) شریعت کی تعریف کیا ہے -

ج (۴) شریعت اُس مجموعہ احکام خدا و رسول کا نام ہے جو قرآن و احادیث صحیحہ میں مسطور ہیں جس پر عمل پیرا ہونے سے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبودی اور روحانی و جسمانی و تمدنی و مذہبی ترقی و کامیابی انسان کو نصیب ہوتی ہے اور جس پر عمل نہ کرنے سے دونوں جہاں کی خرابی اور بربادی اور گھاٹا نقصان تصور ہوتا ہے گویا شریعت ایک شاہراہ عام ہے جس پر چلنے سے منزل مقصود کو پہنچنا ممکن اور یقینی ہے اور اسکو چھوڑنا موجب حیرانی و پریشانی ہے شریعت ان چار چیزوں پر مبنی ہے -

کتاب اللہ یعنی قرآن و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اجماع و قیاس  
 س (۵) شریعت میں ائمہ اربعہ کا کیا رتبہ ہو اور انکے نام کیا ہیں -

ج (۵) ائمہ اربعہ ان حضرات علیہ السلام کے نام ہیں اور قانون شریعت کے مدونین و مفسرین و متکلفین

اسماء گرامی حب ذیل ہیں۔

(۱) ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمہ اللہ مشہور بہ امام عظم رحمہ اللہ چہینفہ  
امام ہیں اور آپ کا مذہب سنی مسلمانوں میں سب سے زیادہ رائج خصوصاً روم و شام  
و ایران و خراسان و ماوراء النہر یعنی موجودہ روسی ترکستان بخارا و سمقند اور افغان  
اور ہندوستان میں یہی مذہب رائج ہے۔ دوسرے مذاہب ان ملکوں میں خال  
خال ہیں۔

(۲) ابو عبد اللہ مالک بن انس المدنی رحمۃ اللہ علیہ بالکون کے امام ہیں شمالی قتر  
یعنی ملک مغرب کے مسلمان انہی کے پیرو ہیں۔

(۳) ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ شافعیوں کے امام  
ہیں اور ان کا مذہب مصر و شام و عراق و عربستان میں زیادہ رائج ہے۔

(۴) ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ آپ ہی کے طرف جہلیوں کی  
نسبت ہوئی ہے اور آپ کا مذہب سب سے کم شایع ہے بلکہ فقط عراق میں  
یہ زیادہ تر پایا جاتا ہے ان حضرات نے اللہ قرآن و حدیث کے سمجھنے اور سمجھانے

اپنی عمر میں صرف کر دیں اور اس نئے مذہب پر اکثر بزرگان دین کا اتفاق ہو چکا  
اسکے حکام سے اس نئے مذہب پر عمل کرنا گویا قرآن و حدیث پر عمل کرنا  
اور یہ چاروں ائمہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ظاہری اسلام میں  
مائب ہیں والنائب کا لیب۔

س (۱) طریقت کی کیا تعریف ہے؟

ج (۱) لغت میں طریقت اس راستے کو کہتے ہیں جو آدمیوں کے چلنے سے نئے  
نشانات قدم سے بنتا ہے اور عرف و اصطلاح صوفیہ میں طریقت اس راستے کو  
کہتے ہیں جو صوفی و سالک کو اپنی منزل مقصود و قرب و وصال کو پہونچنے کیلئے  
شاہ راہ شریعت پر چلنے سے اس کے نقش قدم (عمل) سے بنتا ہے جسے شریعت  
ایک شاہ راہ عام سے مشابہ ہے اور طریقت وہ راستہ ہے جو صوفی و سالک کے  
شاہ راہ شریعت پر چلنے سے اس کے نشانات قدم (عمل) سے بنتا ہے۔

س (۲) معرفت و حقیقت کی تعریف کیا ہے؟

ج (۲) خدا کے تعالیٰ کی ذات و صفات کو حسب رہنمائی شریعت کما مافیہا

نام معرفت ہے اور اس معرفت سے عارف کو خود اپنی اور ساری کائنات نام کی  
حقیقت ہویدا ہو جاتی ہے جس سے متحقق ہو کر وہ انسان کامل اور خلیفۃ المسیح  
بننا ہے اور یہی اصلی غرض خلق انسان کی ہے اور اسی منزل مقصود کیلئے  
یہ ساری لگ و پو ہے۔

س (۸) اصطلاح صوفیہ کرام میں سلوک سے کیا مراد؟

ج (۸) تبعیت ایک شاہ راہ عام ہے اور طریقت اسی شاہ راہ شریعت سالک کے  
چلنے سے جو اسکے نشانات قدم (عمل) سے جو راہ بنتی ہے اسکا نام طریقت ہے  
جو منزل مقصود معرفت و حقیقت تک پہنچاتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے  
چلنے کا نام سیر و سلوک ہے اور سلوک و حقیقت شریعت پر پوری طرح عمل کرنا  
نام ہے مگر یہ عمل کرنا ایک خاص قسم کا عمل کرنا ہوتا ہے جو ذلت سالک اور غلۃ  
کے امین ایک خاص نسبت و لگاؤ کیساتھ ہوتا ہے۔

چنانچہ ارشاد قرآنی ہے کل قوم حق فی شان یحییٰ ہرمن و ہرمن وہ یبدا  
نئی شان میں جلوہ پذیر ہوتا ہے۔ لہذا ہر ایک کے ساتھ خدا نے تعالیٰ کی ہر کن ایک

نت نئی تجلی اور شان ہوتی ہے جو اسکی رہنمائی ہوتی ہے نیز اسر شاہد ہر  
 کلّ یعمل علم مثلاً کلّہ و سائرہ باقی اعلیٰ یمن ہوا ہندائی سبیل اپنے  
 ہر ایک شخص اپنے اپنے خاص طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے اور تمہارا پروردگار خوب  
 واقف ہے کہ کون زیادہ راہ ہدایت پر ہے نیز فرماتا ہے وَلَکُمْ کُلُّ جُزْءٍ  
 مِّمَّا مَوَّلٰیہَا یعنی ہر ایک کا ایک خاص رخ و طریقہ ہے جسکے طرف درجہ کثرت  
 فاستبقوا الخیرات میں بہت کرو یک راہوں کی طرف الی اللہ و مرجع کجیاً  
 یعنی سب کا منزل مقصود ایک ہی ہے ان راہوں کے اختلاف کے کچھ  
 مضائقہ نہیں۔

س (۹) چار طریقے کون سے ہیں اور وہ کن کن کی طرف منسوب ہیں؟  
 ج (۹) اصطلاح و عرف کے لحاظ سے چار طریقے جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں قادیانی  
 جشیہ نقشبندیہ۔ مکروریہ بیہار حضرت مجنوب سبحانی صلی اللہ علیہ  
 قطب ربانی حضرت شیخ ابو محمد محی الدین سعید القادر بیہارانی رضی اللہ عنہ  
 بیہار منسوب ہے اور اسی کو طریقت بیہارانی بھی کہتے ہیں خصوصاً عرب میں اسکی نام

شہور ہے۔

دوسرا حضرت قطب الہند خواجہ خواجگان خواجہ بزرگ حضرت خواجہ  
معین الدین سن بنجری حقی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہے۔  
تیسرا حضرت خواجہ بہاؤ الدین سید محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ  
کی طرف منسوب ہے جنکا مزار بخارا میں ہے۔

چوتھا حضرت خواجہ شہاب الدین ابو حفص عمر السہروردی <sup>علیہ السلام</sup>  
کی طرف منسوب ہے جنکا مزار عراق عرب میں ہے۔

ف اس کے علاوہ ایک قدیم اصطلاح بھی ہے جس میں چار طریقے اور چار پیرے  
مراد حسب ذیل ہوا کرتی ہے۔

پہلے حضرت شاہ ولایت مولیٰ المؤمنین والمومنات سیدنا علی بن  
ابیطالب کرم اللہ وجہہ کے چار خلفاء چار پیر کہلاتے ہیں خلیفہ اول حضرت  
امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مرحضرت امام حسین رضی اللہ عنہ  
سوم حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ

پہلے حضرت خواجہ کلیل بن زیاد رضی اللہ عنہ

س (۱۰) خانوادے کتے ہیں اور وہ کن کی طرف منسوب ہیں؟

ج (۱۰) چودہ ہیں اور وہ حضرات خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے

دو غلیقوں حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ

حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتے ہیں۔ پانچ حضرات خواجہ عبدالواحد

بن زید تک اور (۹) حضرت خواجہ حبیب عجمی تک۔ اول الذکر سب قیل ہیں

را (۱۱) زید یہ خاص حضرت عبد الواحد بن زید کی طرف منسوب ہے۔

(۱۲) عیاضیہ حضرت فضیل بن عیاضؒ کی طرف منسوب ہے۔

(۱۳) اویسیہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے منسوب ہے۔

(۱۴) ہیمیریہ حضرت خواجہ ابو ہریرہ بصریؒ سے منسوب ہے۔

(۱۵) مشعیتیہ خواجہ ابو احمد ابدال حشمتیؒ کی طرف منسوب۔ اور (۱۶) ثانی الذکر سب قیل ہیں

را (۱۷) جوییہ خاص حضرت حبیب عجمیؒ کی طرف منسوب ہے۔

(۱۸) یغوریہ حضرت خواجہ یزید بستانیؒ کی طرف منسوب ہے۔



(۳) کرخیہ حضرت خواجہ معروف کرخیؒ کی طرف -

(۴) سقطیہ حضرت خواجہ سہری بن منسل السقطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف -

(۵) جندیہ حضرت خواجہ جنید بغدادی کی طرف -

(۶) گاذر دنیہ حضرت خواجہ گاذر دنیؒ کی طرف -

(۷) طوسیہ حضرت خواجہ طوسیؒ کی طرف -

(۸) فردوسیہ حضرت خواجہ فردوسیؒ کی طرف -

(۹) ہروردیہ حضرت خواجہ شہاب الدین ہروردیؒ کی طرف -

س (۱۱) مذکورہ بالا تمام طریقے کن کن صحابہ سے جاری ہوئے ہیں -

ج (۱۱) یہ سب طریقے حضرت شاہ ولایت سیدنا ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہؑ سے جاری ہوئے ہیں سوائے ایک طریقہ نقشبندیہ کے کہ یہ حضرت خلیفہ اول سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے جاری ہے

س (۱۲) امامت کی کیا تعریف ہے اور اُس کے اقسام اور شرائط کیا ہیں؟

ج (۱۲) امامت کی دو قسمیں ہیں - ایک امامت کبریٰ دوسری امامت صغریٰ -

۲۰  
امامت کبریٰ وہ منصب شرعی ہے جس سے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی  
امور کا انتظام متعلق ہو۔ جس سے مقصود ریاست یا فصل خصومات اور اجرائی  
حدود و قصاص وغیرہ امور ہیں۔

امامت نماز اس امامت کبریٰ کی ایک شاخ ہے۔ امامت کبریٰ کا تقرر  
انقرض عہد نبوی کے بعد سے مسلمانوں پر واجب ہے اس کے بغیر مسلمانوں  
حدود اور قصاص کا اجرا اور جہاد کیلئے لشکر کی ترتیب وغیرہ دینی اور دنیاوی  
امور کا انتظام ناممکن ہے امام کیلئے حسب ذیل شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔  
عادل ہو۔ آزاد ہو۔ مرد ہو۔ عاقل ہو۔ شیعہ ہو۔ قوت اجتہاد کی  
رکھتا ہو۔ رائے صائب رکھتا ہو۔ قریشی ہو۔ لیکن بعضوں نے امام کیلئے  
قریشی ہونے کی شرط کو ضروری نہیں سمجھا ہے بدلیل اس حدیث شریفہ کے اطیعوا امر  
علیکم عبد حبشی یعنی اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام تمہارا امیر ہو بلکہ اولویت کی شرط ہے  
امامت کی دوسری شق یعنی امامت صغریٰ سے مراد علماء اور صوفیہ  
ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو حکم العلماء و مرآتہم الانبیاء و نبیائے

۲۱  
فضل العالم علی غیرہ کفضل البنی علی امتہ وراثتہ علم نبوی اور

قوم کے سردار ہوتے ہیں ان سے سالکان راہ خدا کی ظاہری و باطنی  
تعلیم متعلق ہوتی ہے اس کتاب کے اعراض کے لحاظ سے جس امامت  
کی تعریف مقصود ہے وہ اسی امامت صغریٰ کی تعریف ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے فتاویٰ عزیزہ میں اس  
بیعت کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ بیعت بمعنی اصطلاح اہل تصوف  
میں عقیدت کا ہاتھ مرشد کے ہاتھ میں دینا ہے۔ اس امامت  
یعنی مشیخت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیخ علوم ظاہری و باطنی کا جامع ہو  
چنانچہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے  
تصوف کو اختیار کیا اور فقہ کو چھوڑا زندیق ہوا اور جس نے  
فقہ کو اختیار کیا اور تصوف کو چھوڑا فاسق ہوا اور جس نے  
ان دونوں کو جمع کیا محقق ہوا۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ اپنی کتاب

قلال الجبل میں فرماتے ہیں کہ شیخ <sup>۲۲</sup>کے لئے ضروری ہے کہ علوم قرآن  
 و حدیث و فقہ میں اتنی ہمارت رکھتا ہو کہ مریدوں کو مشق  
 کا پابند اور نامشروعات سے پرہیز کرانے اور ان سے  
 اخلاق و مہیمہ کے چھڑانے اور اخلاق حمیدہ سے متصف  
 کرانے کی قابلیت رکھتا ہو۔ ماول اور متقی ہواطاعات  
 اور اذکار ماثورہ پر موافقت رکھتا ہو۔ علوم صوفیہ  
 کی تحصیل کے ساتھ قلب کا تعلق خدا تعالیٰ کیساتھ قائم  
 کیا ہوا ہو۔

امام شعرانی رح اپنی کتاب طبقات الکبریٰ میں فرماتے ہیں  
 کہ قوم صوفیہ کا اس پر اجتماع ہے کہ جس شخص کو علوم شرعیہ  
 میں بخت نہ ہو اس میں خدا تعالیٰ کے راستہ کی تعلیم کی صلاحیت نہیں  
 حضرت شیخ ابو نجیب عبدالقادر سمرودی رحمۃ اللہ علیہ  
 نے اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں فرمایا ہے کہ (شیخ جسے)

کے خرقہ کا اہل وہ شخص ہے کہ جس نے اپنے نفس کو آداب صوفیہ سے مودب کیا ہو۔ ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہوں۔ شقتیں اٹھائی ہوں۔ مرادات سے خالی ہو۔ مقامات طے کیا ہوا ہو۔ صادقین کی صحبت میں رہا ہوا ہو۔ احکام دین اور اوس کے حدود اور مذہب کے اصول و فروع کا عارف ہو۔ اگر ان صفات سے متصف ہو تو اس کو شیخ بننا اور مرید بنانا حرام ہے۔

شیخ جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن و حدیث کی تعلیم نہ پائی ہو اس کی اقتدا اس علم تصوف میں نہ کی جائے۔ کیونکہ ہمارا علم کتاب و سنت کے علوم سے مقید ہے۔

س (۱۳) کیا بیعت امام کے ہاتھ پر ضروری ہے اگر ہے تو کیوں ہے؟

ج (۱۳) امامت کی دو شہوتاں یعنی امامت گیر ملی اور

صغریٰ کے لحاظ سے بیعت کے پہلی دو قسم ہیں۔

ایک بیعت اطاعت جو امام مینے پادشاہ اسلام کے ہاتھ پر کیا ہے چونکہ اس بیعت کے بغیر مسلمانوں کے مصالح دینی اور دنیوی کی تکمیل ناممکن ہے لہذا مسلمانوں پر حطرح امام کا تقرر واجب ہے اور سیطرح امام کے ہاتھ پر بیعت اور اطاعت بھی واجب ہے۔ اس بیعت کے وجوب پر احادیث نبویہ علی صاحبہا ألف الف سلام و تحیۃ میں اس قدر تاکید فرمائی گئی ہے کہ جس نے امام کے ہاتھ پر بیعت کئے بغیر رحلت کی ہو اُسکی موت کو جاہلیت کی موت قرار دیا گیا ہے دوسری بیعت تقویٰ و توبہ جو بحیثیت امامت صغریٰ شامخ صوفیہ کے ہاتھ پر علوم طریقت کی طلب کے لئے کی جاتی ہے اس بیعت کا فرض یا واجب یا سنت ہونا موقوف ہے اس مقصود کے فرض یا واجب یا سنت ہونے پر کہ جس کے

حاصل کرنے کے لئے بیعت کیجاتی ہے اس لحاظ سے بعض حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ بغوائے طلب العلم فریقۃ علی کل مسلم جس علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔ وہ علم تصوف ہے جس سے سالک کو اوس کے حال اور قرب الی اللہ کے تقاضا اور خدا تعالیٰ کی معرفت کا علم حاصل ہوتا ہے علماء کا مقولہ ہے کہ حدیث نبوی میں جس علم کی طلب کے فرض ہونے پر اشارہ ہے وہ علم تفسیر و حدیث و فقہ و عقائد ہے کہ ان کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہوتی۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب توت القلوب میں ان اختلافات کا تصفیہ اس طرح فرمایا ہے کہ اسلام کی بناء کلمہ نماز روزہ حج زکوٰۃ ان پانچ چیزوں پر ہے تو انہیں پانچ فرائض کا علم طلب کرنا واجب ہوگا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اعیان العلوم میں لکھا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم

۲۶  
معاملہ اور دوسرے علم کا شفا و حدیث نبویؐ میں ہر مسلمان پر جس علم کا یکہنا فرض کیا گیا ہے

وہ علم معاملہ ہے اور وہ علم معاملہ کے فرض ہونے کا سلسلہ اس طرح قائم فرماتے ہیں کہ نبیؐ و اسلام بلا  
بلوغ اور لاکلمہ تو مید کا یکہنا فرض ہو گا من بعد و قتیہ نمازوں کیلئے  
اول وضو اور غسل کے احکام پھر و قتیہ نمازوں کا یکہنا من بعد  
روزوں کے مسائل اگر غنی ہو تو زکوٰۃ اور حج کے مسائل۔

تاجر ہو تو احکام بیع اور شراؤ کا علم اور عقد کرنا چاہے تو مسائل نکاح  
اور حقوق زوجین کا علم۔ غرض کہ جس وقت جس شعبہ معاملات سے  
سابقہ ہوا وہی وقت اس کا علم یکہنا فرض ہو جاتا ہے اور علم کا شفا  
کو حضرت امام صاحب نے ان علوم میں شمار فرمایا ہے جو فرض کفایہ  
جسکی تعریف یہ ہے کہ قوم میں ایک شخص ہی اس علم کا تکفل ہو جائے  
تو قوم پر سے اسکی فرضیت باق ہو جاتی ہے مگر قوم کے دیگر افراد سے  
حق میں اوں کی طلب ممنوع بھی نہیں بلکہ باعث فضیلت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ اپنی کتاب القل الجلیل میں



فرماتے ہیں کہ مشائخین میں تقویٰ اور توبہ کی بیعت جو مروج ہے  
 یہ بیعت سنت ہے واجب نہیں ہے اس واسطے اصحاب رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے اس بیعت  
 کے ذریعہ تعزیر الی اللہ حاصل کیا مگر کوئی دلیل شرعی تارک بیعت کے  
 گنہگار ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے اور آئمہ دین نے تارک بیعت  
 پر انکار بھی نہیں کیا ہے تو یہ عدم انکار اجماع ہو گیا اسپر کہ وہ واجب  
 نہیں ہے ۔

نتیجہ ان اکابر صوفیہ کی تحقیق و تدقیق کا یہ ہوا کہ صوفیہ کے  
 ہاتھ پر تقویٰ و توبہ کی بیعت اور علم طریقت حاصل کرنا سنت  
 باوجودیکہ علم طریقت کی طلب اور اس کے حصول کے لئے  
 شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنا سنت اور داخل اعمال فضیلت ہے

مگر جو شخص اس علم کو حاصل کرنا چاہے اور سپر لازم ہے کہ  
 بغیر شیخ کامل کی رہنمائی کے مدارج سلوک کے طے کرنے کا اقدام  
 نہ کرے کیونکہ وہ دران سلوک میں رکائے شیطانی و نفسانی سے  
 واقفیت اور تجلیات و خطرات ملکی و رحمانی و شیطانی وغیرہ  
 امور کا امتیاز بغیر شیخ کامل کی رہنمائی کے نہ ہو سکیگا تو یہ امور  
 کفر و ضلالت اور گمراہی میں مبتلا کر دیوالے ہوں گے اسی لئے  
 کہا گیا ہے کہ من لا شیخہ لا فشیخہ الشیطان ۔

س (۱۳) (تصوف کی کیا تعریف ہے)

ج (۱۴) اگرچہ تصوف کی تعریفیں مختلف اعتبارات سے  
 مختلف ہوئی ہیں مگر مختصر جامع طور پر یوں کہنا چاہئے  
 کہ تصوف درحقیقت تصویح خیالی مع اللہ

و اخلاص نیت کا نام ہے یعنی اپنی زندگی کے تمام اعمال و اقوال و افعال  
یا اپنی تمام حرکات و سکنات میں یا یوں کہو کہ ہر دم خدا کیساتھ رابطہ قلبی کو  
لگائے رہنے کا نام تصوف ہے اور یہی وہ احسان کا درجہ ہے۔

پنچ سو سال قبل اس وقت میں گدڑ چکا چنانچہ خدا نے اپنے حبیب کو چار سی  
تنبیہ کی غرض سے ارشاد فرمایا ہے۔ کہو کہ میری نماز و عبادت اور میرا جینا  
قُلْ اِنْ صَلَّوْتِي وَنَسِيتُكَ وَجَعَلْتُ  
وَمَا تَنِيَّ اللَّهُ رَبَّ الْعَالَمِينَ  
الاشراج لروبنك انت  
وَمَا اَوَّلُ الْمَسْلُوبِينَ  
اور مرتا خاص خدا ہی کیلئے ہے جو سارے  
جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کا کوئی  
شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم ہے اور میں  
مسلمان ہوں یا اطاعت کرنے والا

فرمانبردار۔

غرض کہ اپنے سارے اعمال و افعال میں کہ اپنے سارے حرکات  
و سکنات میں خدا کو حاضر و ناظر سمجھنا اور اس کے ساتھ یوں لگائے رہنا  
اور اپنا جینا و مرتا خاص خدا ہی کیلئے تصور کرنا جس کا مقصد ہے

اور یہی حدیث ذیل کا مطلب ہے۔

اَتَمَّ الْاَعْمَالِ بِالْاِنِّيَاتِ وَلِكُلِّ

امْرءٍ مَا نَوَىٰ مِنْ حَجْرَةٍ

اِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَجَزَاءُ اللَّهِ

وَرَسُولُهُ وَمَنْ كَانَتْ

اِلَى دُنْيَا يَصِيبَهَا

فَجَزَاءُهَا اِلَى مَا هَاجَرَ

اِسکی ہجرت خدا کے نزدیک محض خدا

و رسول ہی کیلئے منظور ہوگی اور جس شخص کی

ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی

عورت کو نکاح کرنے کیلئے ہو تو اُسکی ہجرت

خدا کے نزدیک اسی غرض کیلئے تصور ہوگی

ہجرت کیلئے ہو یعنی ہر عمل کیسا جیسا خیال کریگا

اور جیسی نیت کریگا ویسا ہی اسکا انجام ہوگا۔

س (۱۵) فقیری سے کیا مراد ہے اور فقر فخری سے کیا مراد ہے۔

ج (۱۶) فقر عربی زبان میں محتاجی اور ضرورت مندی اور نیاز مندی کو کہتے ہیں اور اسی لحاظ سے اصطلاح میں فقر بمعنی تصوف کے متعلیٰ ہوتا ہے کیونکہ صوفی جیسا کہ اپنے تصوف و احسان کی تعریف میں پڑھا ہمیشہ اپنی زندگی کے جزو کل حالات و حرکات و سکنات میں خدا پر نظر لگائے رہتا ہے یعنی ہر آن خدا کی عنایت و خوشنودی کا اپنے کو محتاج و حاجت مند تصور کرتا ہے جیسا کہ بزرگان دین نے فرمایا ہے۔

الصوفی مع اللہ کاملیت یعنی صوفی کی حالت خدا سے ایسی ہوتی ہے جیسے مردہ کی غسائے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

فی البدع الغامض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ سچے پیر و اور حلقہ بخش صوفیوں کرام ہیں اسی فقر و محتاجی با خدا کو اپنا مایہ فخر و ترازو فرمایا ہے نہ وہ فقر و محتاجی اور احتیاج با خلق ہے اور جو حسب الارشاد بنو علی سخت مذموم ہے حتیٰ کہ حضور نے اسے کفر کے قریب اور رویا ہی و ارین کا باعث فرمایا اور اس

آپ نے پناہ انجی حدیثوں میں وارد ہے۔

پنے پناہ والی حدیوں میں دائر رہا ہے۔  
 یعنی منطقی ترقی ہے کہ کفر تک پہنچا  
 اَلْمُحْسِنَاتِ يَأْكُوْنَ كَفْرًا  
 اَلْمُسْمَرَاتِ اَعْوَدُ بَابٌ مِنَ الْكُفْرِ فَقِرْ لَے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفو  
 الفکر ہو اد الوجه فی الدارین  
 تم باجی سے منطقی خلاشی رو یا ہی رد و نواں  
 جہاں کی۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے اسی فترت میں محتاجی یا خلق کو روکنے کیلئے اور محتاجی ہمیشہ خدا سے قائم رکھنے کی عادت ڈالنے کیلئے مخلوق سے سوال کرنے کو ہر سے منع فرمایا جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ اگر تمہارے فعل کا مستند توٹ جائے تو بھی خدا ہی سے مانگو، گھریں غمک کی ضرورت پڑے تو بھی خدا ہی سے مانگو، وغیرہ وغیرہ۔

خدا ہی سے مانگو! وغیرہ وغیرہ۔

حضور کی اس سے غرض یہی تھی کہ غیر خدا سے مانگنے کی عادت جب جانی  
 تو لا محالہ خدا سے ہی مانگنے کی عادت پڑے گی اور اس طرح ہر وقت ہر ضرورت  
 خدا ہی کی طرف رجوع ہو کر لیا اور اسی کی روٹی پہنچی اور صوفی کی شخصیت

فنا ہو جائیگی اور اس کے حرکات و سکنات خدا ہی کی طرف منسوب ہونے لگیں گے  
 مَارِئِیتَ اِذْ رَمِیتَ وَلَکِنِ اللّٰہُ دَعٰی کَا وَرَجَہَ حَالٍ ہُوَ جَائِئٌ کَا وَیَرِیْہِیْ مَعْنٰی اِیْمٰنٍ کَلِمَہٗ  
 اوس مقولہ کے الفاظ اِذْ اَنْتَ رَہُوۡا اللّٰہَ یَعْنِیْ اِجْتِمَاعِیَّ اِلٰی اَجْبَالٍ ہُوَ جَائِی  
 ہے تو خدا ہی خدا کا ظہور ہونے لگتا ہے۔

قَالَ الْجَامِعُ قَدِّسَ سَیِّدُہٗ

اَوْ شَرِّ زِمَانٍ ہُوَ خَلْقُہٗ اَلْفَقْرَ اِذَا تَمَّ ہُوَ اَللّٰہُ اِنْ تَمَّ

غرض ہر طرف ہر وقت وہاں اپنے کو خدا کا محتاج سمجھتا ہے  
 کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ خود اس کا وجود وہی وجود بین العدمین ہے یعنی  
 ہر آن ایک نیا فیضان وجود کا اسپر مبد و فیاض سے ہوتا ہے کیونکہ میں  
 اس کیلئے آن مستقبل معدوم ہے و یا ہی آن ماضیہ بھی عدم ہے لہذا  
 ہر آن میں وہ اپنے وجود کیلئے فیضان وجود باری تعالیٰ کا محتاج ہو جاتا ہے  
 جیسا کہ چرخ کی نو ہر آن تیل کے فیضان کی محتاج ہے کہ اگر ایک آن کی  
 یہ فیضان بند ہو جائے تو وہ گل ہو جاتا ہے یہی مثال انسا کے وجود کی چوڑ

باری تعالیٰ سے ہے۔

الحال فقیر کے معنی محتاجی کے ہیں جب یہ محتاجی خدا کیساتھ ہو تو اس میں جتنی ترقی ہوگی اتنا ہی قسب الی اللہ کے مدارج مائل ہونے اور جب غلیظ کیساتھ ہوگی تو جقدر اس میں اضافہ ہوتا جائیگا۔ اسقدر خدا سے بُد ہوتا جائیگا اور آخر کو کفر تک نوبت پہنچگی اور روسیاہی دار میں مائل ہوگی۔ اب اس سے آپ کو واضح ہو گا کہ فقیری کے معنی مفلسی و فلاشی کے جو اذہان حوام میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں، احتیاج الی اللہ ہر دم قائم رہنے پر اگر ہماری دنیا کی دولت و حکومت کسی کو حاصل ہو تب بھی وہ فقیر ہی منظور ہو گا اور مقرب عند اللہ جیسا بعض انبیاء مثل حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام و خیر علیہ کی حالت تھی۔

س ۱۰۱ فقیر۔ صوفی۔ شیخ۔ کی کیا تعریف ہے۔

ج (۱۱) یہ تینوں لفظ ایک ہی شخص پر بولے جاتے ہیں مگر ان کے معنوں



حیثیات کا فرق ہوتا ہے مثلاً فقیر اس لحاظ سے کہ وہ مردہ بدست زینہ  
کی طرح خدا کا ہر آن و ہر دم محتاج ہوتا ہے اور صوفی اس لحاظ سے کہ وہ  
تصفیہ باطن اور دوام حضور قلب مع اللہ میں مشغول ہوتا ہے اور ظاہری  
لہاس کی پرواہ نہیں کرتا اور شیخ اس لحاظ سے کہ وہ پیشوا و قابل قتل  
ہوتا ہے

س (۱۰) فرقہ بالغینہ اور صوفیہ میں کیا فرق ہے۔  
ج (۱۰) فرقہ باطنیہ وہ فرقہ ہے جو باطن کی آڑ میں ظاہری احکام  
شرعیہ کا انکار کرتا ہے۔

بچا پنچھو ان کے ہاں حلال و حرام و واجب و فرض و سنت و مستحب کو ٹی بیز  
نہیں ہے بخلاف صوفیہ کہ ان کے کہ وہ اپنے آقاؐ سے نامہ حضور اکرم  
ﷺ اللہ علیہ وسلم کے ظاہری احکام و باطنی حالات سب میں پورے پورے  
متبع اور پیرو ہوتے ہیں کیونکہ شریعت جو مجموعہ احکام خدا و رسول کا نام  
وہ طریقت سے جدا نہیں ہے بلکہ طریقت اسی شامل ہے شریعت پر

ایک خاص طور پر چلنے کا نام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ احکام شریعت و قسم کے  
 میں ایک ظاہری دوسرے باطنی یعنی ظاہری وہ جو اصلاح تمدن و تہذیب  
 و حسن معاشرت و حقوق العباد سے متعلق ہیں اور باطنی وہ ہیں جن سے خدا کی تعظیم  
 بندہ کا رابطہ قلبی اور تعلق پیدا ہو جائے اور باطنی کیفیت سنو جو اسے  
 ہماری شریعت چونکہ آخری اور کامل ترین شریعت ہے اس میں ہر ایک  
 قسم کی روحانی اور جسمانی اور تمدنی و دینی ہدایات و تعلقات خاص طور پر  
 موجود ہیں کیونکہ خداوند عالم نے انسان کو دو مختلف متضاد چیزوں سے  
 مرکب فرمایا ہے ایک جسم جو عالم شہادت سے ہے اور عکس چیز ہے دوسری  
 جان جو غیر مادی اور عالم ملکوت سے ہے ان میں سے ہر ایک کے خواہشات  
 و مقتضیات الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کے متضاد۔

اضافہً ان دونوں کی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے اور بالآخر ان میں  
 ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہو جاتا ہے اور غالب اپنے مقتضیات کے  
 پورا کرنے کیلئے ہمہ تن انسان کو اپنا ہی بنالیتا ہے اور وہ دوسرے کے مقتضیات کو

پورا نہیں کر سکتا حالانکہ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ ان دونوں کے مقتضیات برابر برابر اعتدال کیساتھ پورے ہوتے ہیں اور یہی مقصود اصلی خدا کا انسان کو اس طرح مرکب پیدا کرنے کا ہے۔

انسان سے جو حقوق معاشرت و تمدن یعنی حقوق العباد متعلق ہیں یہ سب جسم کے ساتھ ہیں اور جو حقوق اللہ اس کے ذمہ عائد ہیں یہ سب روح سے متعلق ہیں اور ان دونوں تعلقات و مقتضات کو پورا کرنا انسان کا لازم ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کا خیال اعتدال کیساتھ رکھا جائے اور افراط و تفریط سے بچتا رہے۔ یہ ایک سخت دشوار اور کٹھن کام ہے جو بڑوں بڑوں سے نہ ہو سکا مگر خدا نے تعالیٰ نے اپنی رحمت کااد سے ہماری تعلیم و ہدایت کیلئے ایک ایسا شفیق استاد و ہادی بھیجا جس نے اپنی طرز عمل سے ان دونوں مقتضیات کو اعتدال کیساتھ قائم رکھنے کا طریقہ دکھو بتا دیا اور وہ ذات پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشین خلفاء راشدین

اور صوفیہ کالمین نے اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کو بتلادیا کہ انسان کو خدا کے  
پاک کا خاص و مقرب بندہ بن کے کاروبار و حقوق العباد کو کس طرح انجام دینا

### شعر

از روں باش آشنا و از بروں بیگانه دشمن      اینچنین زیباروش کم می بود و اندیشه  
غرض اکھٹے یہی وہ زیباروش و صراط مستقیم ہے جس کیلئے ہم رات و دن نادمین  
دیکھا کرنے پر مامور ہیں اور جس کے بارے میں دنیا کی مختلف قومیں ٹوکریاں کرتی  
ہیں مگر بجز صوفیہ کرام کے کوئی گے و ہذا اس میدان عمل میں ثابت قدم  
نہ نظر دینا کے مختلف گروہوں پر اگر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہو گا کہ بعض مہذب  
ایسے بھی ہیں جنہیں تجرد اور صحرانشینی و ترک عائلہ و ذریعہ قریب ایندوئی  
و شجاعت اخروی مانا گیا ہے جیسے حکماء و قدیم اور ہندوؤں اور انصارائے کا  
مذہب ہے اور اسی سے ملتے جلتے باطنیہ بھی ہیں اور بعض مذاہب ایسے ہیں  
جو فقط ظاہر پرستی ہی پر مبنی ہیں اور مادی ترقیات ہی انکا معراج کمال ہے جیسے  
یہود اور ظاہر پرستوں کا مذہب ہے یہ سب معصوب علیہم میں داخل ہیں

جیسے کہ پہلی گروہ ضالین میں محسوب ہے بخلاف صوفیہ کلام کے جو خدا  
 دین اسلام کے پابند اور اپنے نبی کریم کے قدم قدم اور پیرو میں اپنا  
 مذہب ان دونوں کے مین بین ہے نہ بالکل ظاہر پرستی اور مادہ پرستی ہی ہے  
 اور نہ بالکل تجرد و ترک حقائق دنیاوی بلکہ وہ ہر دم خدا تعالیٰ کی یاد میں دل  
 مشغول رہتے ہیں اور سب صحرائیوں سے بڑا کہ وہ تارک الدنیا ہیں  
 اور ادھر ظاہر میں تمام حقائق دنیاوی میں مصروف نظر کرتے ہیں اور تمام  
 حقوق العباد کو بخوبی سمجھ جاتے ہیں۔

غرض کہ جینائیت و تروحاتیت دونوں تعلقات کو بخوبی جانتے ہیں اور  
 پہلو میں اعتدال کو مانتے رہتے ہیں۔ شعر  
 بر کفی جام شریعت بر کفی نذران عشق ہر ہوتا کے نذران جام شان باطن  
 میں اسی سہ اذ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 نہ سے تجرد اور رہبانیت سے جہاں منع فرمایا وہاں ظاہر پرستی اور تجرد  
 و مادہ پرستی سے بھی منع فرمایا۔

چنانچہ ذیل میں وہ ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔ توہ تعالیٰ

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومًا وَلَا دِمَآءًا ۚ  
وَلَكِنْ يَأْتِيهِمُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ

بہنیں پا سکتے بلکہ اسکو تمہارا تقویٰ پاتا ہے یعنی ذریعہ قرب و وہماں  
ایزوی محض تقویٰ ہے جو خدا سے ڈرنے اور اسکو ہر وقت حاضر و غا  
سمجھنے کا نام ہے نہ فقط ظاہری رسوم عبادت۔ اور تقویٰ کی نسبت حضور ﷺ

ارشاد فرمایا

التَّقْوَىٰ مَخْرَجُ شَاةِ الْقَلْبِ  
یعنی تقویٰ یہاں ہوگا اور لکی طرف شاہ فرمایا

لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى صُورِكُمْ وَلَا إِلَى أَعْمَالِكُمْ

وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ

۱۔ تمہارا لہ اعمال بالنیات و اخا

لِكُلِّ أَمْرٍ مَا نَفَعُ

عمل سے نیت کرے۔ نیز ارشاد ہے۔

ان فی الجسد مضغاً إذا صلحت  
 صلح الجسد كله وإذا فسد  
 فسد الجسد كله  
 الا وهي القلب  
 لا صلوة الا بحضور القلب

جسہ انسان میں ایک گوشت کا ٹکڑا  
 جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست  
 ہوتا ہے اور جب بگڑتا ہے تو سارا جسم بگڑتا  
 دیکھو وہ ٹکڑا دل ہی ہے نیز فی الجسد کہ  
 نماز فقط حضور دل ہی سے ہے۔

اس کے سوا اور سیکڑوں، رشاوات میں  
 جن سے واضح ہوتا ہے کہ فقط ظاہر پرستی عندہ اللہ کوئی شے نہیں جب تک کہ  
 بالنی لگاؤ نہ پیدا ہو اس کے مقابل یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا  
 ارشاد ہے۔

الامر کبائناً فی الاسلام  
 وصرانینی وکوه نوردی کوئی شے نہیں نیز ارشاد ہے۔

اسلام میں رہبانیت و ترک طلاق و تجرد

ان لنفسك عليك حقاً وان  
 لزوجك عليك حقاً وان لزورك

میں نے تیری جان کا بھی تجھ پر حق ادا کرنا لازم ہے  
 اور تیری بیوی پر توں کا بھی تیرے حق ادا کرنا لازم ہے

علیکَ حَقًّا (الحديث) ..... اور تیرے ہمسایہ دوست اور اقارب کا بھی تجھے  
..... حق ادا کرنا واجب ہے۔

غرض کہ ایسے سیکڑوں اہل شادوات ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ترک  
علائق دنیا اور سجدگی زندگی جیسے ہندو و نصاریٰ کا خیال ہے یہ غلط خیال ہے  
قرب و وصال ایزوی کے حصول کا اس پر اسخوار نہیں ہے۔

الحاصل اسلام نے جو سید ہاراستہ بتایا ہے وہ یہی ہے کہ نہ ظاہری احکام شرعیہ  
بے اعتنائی کی جائے جیسا کہ باطنیہ فرقہ کا خیال ہے اور نہ روحانیت  
کورے ہو کر ظاہری پر انحصار کیا جائے جیسا کہ ظاہر پرستوں کا خیال ہے جس  
واضح ہے کہ صوفیہ کرام ہی دراصل اسلام کے پورے پابند ہیں۔  
س (۱۸) (الحمد و زندہ سے کیا مراد ہے)

ج (۱۸) الحمد و زندہ سے اصطلاح میں بے دینی اور ظاہری احکام شرعیہ  
انکار و آزادی مراد ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے باطنیہ فرقہ کی حالات میں  
پڑھا ہے۔



(ارشاد نبویؐ ہے)

قَالَ اللَّهُ لَنْ يَوْمِي أَحَدٌ حَتَّى يَكُونُ يَمْنَعُ كَيْفَ كَوْنِ يَمَانِ كَأَوْجِهٍ مَالٍ نَحْسٍ يَوْمِي  
 هُوَ أَسْمُ تَبَعًا لِمَا جَنَّتْ بِهِ ..... جَعَلْتُ مَكَانَ خِيَالٍ وَنَحْوُ ذَلِكَ مِيرِ لَانِ هُوَ  
 ..... دین کے ماتحت و تابع نہ ہو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ آپؐ کا لایا ہوا دین ظاہری و باطنی احکام دو نو نحو شامل ہے لہذا  
 ان میں سے کیسا بھی انکار و راصل دین کا انکار کرنا ہے۔ یہاں یہ بیان کر دینا ضروری  
 معلوم ہوتا ہے کہ بعض جاہل لوگ جو اپنے کو صوفیہ کہ امر کے معتقد خیال کرتے  
 ہیں اور دراصل باطنیہ فرقہ کے خیالات اندر ہی اندر ان میں سرایت کر جاتے  
 ہیں اور وہ اپنی جہالت سے اصل تصوف اور باطنیہ کے خیالات میں تفریق  
 نہیں کر سکتے بعض بعض اشعار و نظام ملت کو جسکے معنی نہایت دقیق اور پراسرار  
 و غوامض و معارف حقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوں اپنے خلاف شریعت خیالات کا  
 تائید میں بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں حالانکہ اصل قائل کا منشاء وہ نہیں ہوتا جو  
 یہ سمجھتے ہیں بلکہ وہ شریعت کے موافق ہوتا ہے۔ مگر چونکہ یہ اسکے غوامض

واسرار سے واسطہ نہ ہو۔ بلکہ اگر کوئی خلافِ شریعت معنی پر محمول کرتی ہے  
اور معنی دو آفتواں میں مبتلا ہوتے ہیں ایک تو اقرار کرنے سے بدنام کنندہ  
نکاح اسے چند کا مصداق بنتے ہیں اور دوسرے یہ کہ خود شریعت کے خلاف خیال  
پکانے سے مجاوزہ نہ کر کے مرتکب ہوتے ہیں۔

غرض کہ اہل اصول یہ ہے کہ جو کلام خواہ وہ کیسا بھی ہو اگر اُس سے بظاہر  
خلافِ شریعت معنی متباد ہوئے ہوں تو چاہئے کہ اس کلام کے معنی لگائے  
ورپے نہ ہوں بلکہ اسے حقیقی معنی اُس کے قائل پر محمول کئے جاویں اور  
یہ عقیدہ رکھیں کہ ایسے معنی حقیقت میں خلافِ شریعت نہ ہرگز نہ ہو گئے بلکہ جو  
وقت و غرض ہمارے اہتمام سے بعید ہیں۔ غرض کہ ایسے اقوال سے نہ تو  
سند و جہت پکڑنی چاہئے اور نہ اس پر اعتراض اور بغض کی نگاہ ڈالنی چاہئے  
بہت سارے اشعار و اقوال ایسے ہیں جن کے معنی پر غور کرنے سے کبھی  
وہ خلافِ شریعت ثابت نہیں ہوتے مگر اُن نے عام طور پر خلافِ شریعت معنی لیکر  
لوگ خواہ مخواہ گمراہ ہوئے۔ یہ ان لوگوں کا تصور ہے۔ ان قائلین کا اگر

تطویل کا خوف نہ ہوتا تو ہم ضرور یہاں انکا ذکر کرتے۔

س (۱۹) (ترک دنیا سے کیا مراد ہے اور دنیا کسے کہتے ہیں)

ج (۱۹) ثنوی شریف میں مولانا کے رومؒ نے دنیا کی خوب تعریف فرمائی ہے

جو قرآن اور حدیث کا صحیح مفہوم ہے۔

چیت دنیا از خدا نازل شدن نے قماشش و نقرہ فرزند

یعنی اسباب خانہ واری اور جو رو بچے زر و زیور یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں بلکہ

محبت اور خدا سے غفلت حقیقت میں دنیا ہے اور اسکی نسبت ارشاد باری ہے کہ

زُتِّیَ لِیَا سِرِّ حَبِّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النَّسَا خوشنابائی گئی لوگوں کیلئے محبت مرغوب

والبین والقناطیر المقطرة والذهب چیزوں کی جیسے عورتیں فرزند اور زر و

والفضیة والحیل المسومة حیم جمع کردہ کی دولت اور آراستہ طور

و الانعام و الحمر ذالک متاع الحیوة (سواریاں) اور مویشی اور کیتیاں یہی پونجی

الدُّنْیَا۔ حیات دنیا کی۔

اس سے واضح ہوا کہ اشیاء مذکورہ کی محبت ہی دنیا ہے نہ اشیاء مذکورہ کی

تطویل کا خوف نہ ہوتا تو ہم ضرور یہاں انکا ذکر کرتے۔

س (۱۹) (ترک دنیا سے کیا مراد ہے اور دنیا کسے کہتے ہیں)

ج (۱۹) ثنوی شریف میں مولانا نے رومؒ نے دنیا کی خوب تعریف فرمائی ہے

جو قرآن اور حدیث کا صحیح مفہوم ہے

چیت دنیا از خدا نازل شدن نے قماش شمس نقرہ فرزند

یعنی اسباب خانہ داری اور جورو بچے زر و زیور یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں بلکہ انکی

محبت اور خدا سے غفلت حقیقت میں دنیا ہے اور اسکی نسبت ارشاد باری ہے کہ

زُتِجَ لِيَا سِرِّ حَبِّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النَّاسِ خوشنابائی گئی لوگوں کیلئے محبت مرغوب

والبین والقناطير المقطرة لا تمنى چیزوں کی جیسے عورت میں فرزند اور زر و

والفضية والخيول المسومة حیم جمع کردہ کی دولت اور آرائش گھوڑ

والانعام والحرث ذالك متاع الحيوة (سواریاں) اور بوشیا اور کھیتیال یہی پونجی ہر

الدُّنْيَا۔ حیات دنیا کی۔

اس سے واضح ہوا کہ اشیاء مذکورہ کی محبت ہی دنیا ہے نہ اشیاء مذکورہ کی

وہ تو انسان کی ضرورت کی چیزیں ہیں حسب ضرورت ان سے کام لینا انسان  
 کیلئے جائز ہے البتہ انہی محبت میں خدا سے قائل ہونا مذموم ہے اور بس۔

اگر سب اشیاء مذکورہ بالا موجود ہوں مگر ان سے محبت نہ ہو تو وہ اشیاء مانع  
 قرب الیزدی نہیں ہو سکتیں۔ دیکھو حضراتِ اؤد و سیلان و دیگر انبیاء علیہم  
 یہ سب چیزیں حاصل تھیں نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ  
 راشدین و بہت سارے صوفیہ بزرگ اس لیے حضرت غوث پاکؒ  
 رضی اللہ عنہ کے پاس یہ اشیاء موجود تھیں پھر انہی نے قرب اور وصال الیزدی  
 مانع نہ ہو سکیں بلکہ باعث ازدیاد مدارج ثابت ہوئے غرض کہ جو چیز خدا تعالیٰ  
 قائل کر کے اپنی محبت میں پہنچانے دی ہیں وہی دنیا ہے خواہ دھیرہ و دیبا و زر و سیم  
 وغیرہ ہو یا پٹی پرانی کُل ہی کیوں نہ ہو۔ اصل میں دنیا کا لفظ غلط معنی میں  
 مستعمل و مصطلح عوام ہو گیا ہے ورنہ قرآن پاک میں اکثر یہ لفظ الحیوۃ کی  
 صفت واقع ہوا ہے یعنی الحیوۃ الدنیا جس کے معنی یحییٰ اور خیس و فنی  
 زندگی کے ہیں اب عرف عوام میں اس کو زمین اور اس کے اشیاء کو دنیا

کہنے لگے ہیں حالانکہ قرآن پاک میں کبریٰ مبینا کے وہ معنی نہیں ملتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں جہرگہ الحیوة الدنیا کے الفاظ آئے ہیں جو کینہ زندگی کے معنی ہیں اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے تعالیٰ سے غافل ہو کر زمین پر مادی اشیاء کا گردیدہ ہونا ہی کینہ اور قابل نفرت زندگی ہے۔

قرآن پاک میں اس حیوة دنیا کے مقابل حیوة طیبہ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا جو پاک اور خوشگوار زندگی کے معنی میں متعل ہو رہا ہے اور وہ زندگی مبینا کا ملین۔ اور مقربان ایزوی کی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

الکَلَامَاتِ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ هُوَ شَيْءٌ يَّرْجُوْا خُذُوا كَے دوست ہیں انہیں وکامو بخیر ہوں کوئی غم ہے اور خوف۔ ایسی صورتیں

ہو کر غور کرنا چاہئے کہ تمام افراد انسانی کی مختلف زندگیوں میں وہ کوشش ایسی زندگی ہے جس میں خوف و خطر و سنج و غم نہیں ہے۔ پس اس میں غور کرنے کو معلوم ہوتا ہے کہ محض اولیاء اللہ اور صوفیہ ہر کسی کی ہی زندگی ایسی زندگی ہو سکتی ہے جس میں ولی طور پر نہ کسی سے خوف نہ ہے نہ خطر نہ کسی کا رنج نہ

یہ غم انہیں کی زندگی ان سب باتوں سے آزاد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انہیں  
مردانِ خدا سے ایک مومینان کا قول ہے۔

غلامِ ہمتِ آغم کہ زیرِ چرخِ کبود زہرِ چہ رنگِ قلعِ پیرِ آزادا  
کیا دنیا کے کسی خاقان و مقصور و قیصر و کسرتی و شاہ و شہنشاہ کو یہ ہمت ہے کہ  
وہ ایسا نقطہ بے دھڑل بول سکے۔

حَلا وَاللّٰهُ شَرُّ مَا دَاللّٰهُ

مس (۲۰) سجادگی کی کیا تحلیف ہے اور اسکے فرائض کیا ہیں۔  
رج (۲۰) سجادگی دراصل سجادہ نشینی کا مخفف ہے اور سجادہ بمعنی جانا زنگے  
مرشد کے انتقال کے بعد جو خلیفہ اپنے مرشد کا جانشین ہوتا ہے اُسی کو سجاد  
نشین اور اس جانشینی کو سجادگی کہتے ہیں جو خلیفہ اپنے مرشد کا جانشین ہوتا  
اُس پر اپنے مرشد کی اتباع و پیروی اور اسکے نقش قدم پر چلنا لازم بلکہ سیر  
فرض ہے کہ وہ اپنے مرشد اور اپنے آقائے نامدار بیٹے سرور کو بین  
طیب الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری احکام و شریعت و باطنی حالات کی پوری

پوری پیروی کر کے اپنے آپ کو اپنے مریدین وغیرہم کے حق میں مشغول ثابت کرے۔ ورنہ یہ خلافت اور سجادگی اسکی برائے نام بلکہ باعث معصیت ثابت ہوگی۔ نیز یہ بھی اسکا فرض منصب ہے کہ اگر سرکار سے اسکو کچھ ملے گا از قسم نقدی یا جاگیرات و مقطعات و عیوہ عطا ہوئی ہے تو اس کے مصارف از روئے سند پوری پوری طرح ادا کرے اور اپنے باپ دادا کی میراث سمجھکر بجا طور پر خورد و برد کرنے بلکہ خود کو ایک عطیہ سرکاری کا امانت دار خیال کرے کیونکہ مسکد کار نے براہم خمس و انفق جو معاشیں بزرگوں کو عطا فرماتی ہیں اسکی غرض و غایت اصلی یہی ہے کہ عوام الناس کی طرح یہ لوگ حصول ثروت و کثافت میں نہ پڑیں اور اس سے فارغ البال رہ کر افادہ خلق و مشاغل خیر و معروفت میں نہ یہ کہ مثل دنیا داروں کے اس معاش کیوجہ سے اور نزاکات باہمی اور مقدمہ بازی کے جگ و ہندوب میں اپنے کو عمر بھر پھنسائے رکھیں اور حقوق و فرائض سجادگی کو خیر باد کہہ دیں جیسا کہ مشاہد ہو رہا ہے۔

س (۶۱) قضا و قدر سے کیا مراد ہے



ج (۲۱) تضاد میں مطلق حکم کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس ازل اور  
کلی حکم کا نام ہے جو علم الہی میں موجودات عالم کے احوال کے متعلق ہے  
جو ازل سے اب تک ان پر طاری و جاری ہونے والے تھے اور اسی تضاد  
مطابق ہر موجود کیساتھ اسکی حالتوں کو وقت معین اور سبب معین کیساتھ  
خاص طور پر متعلق کرنے کا نام قدر ہے گویا تضاد لوح محفوظ میں تمام  
موجودات کے درجہ اجتماعی کا نام ہے اور قدر انکا متفرق وجود ہے  
جو تمام ایمان کمالات میں بعد شرائط وجود حاصل ہونے کے ہوتا ہے۔

غرضکہ - تضاد ازل میں ہو چکی اور قدرت ابد ہمیشہ ہوتے رہیگی۔

س (۲۲) مسئلہ جبر و قدر میں صوفیہ کرام کا کیا مشرب ہے

ج (۲۲) حضرات صوفیہ کا اس مسئلہ میں وہی مشرب ہے

(عین الجبر والقدیر) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

پے مابین اکابر صحابہ و تابعین کا تھا اور جو اہل سنت و جماعت کا

مذہب ہے فرق اتنا ہے کہ یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے جو تقلید ادا کرتا ہے

اور وہ صوفیہ کرام کا مشرب ہے جو ذوقِ تہمتا ہے یعنی اس حالت میں الجبر و تقدیر کے مستحق ہو جانے سے ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ چونکہ نصوص کتاب و سنت اس بارے میں بظاہر متعارض و متضاد وارد ہوئے ہیں اسلئے اس میں اشکاحی فرقوں میں سے دو بڑے گروہ ہو گئے ہیں ایک جبر یہ اور دوسرے قدریہ۔ جبر یہ کا استدلال ان نصوص سے ہے جن سے بظاہر آدمی کا مجبور محض ہونا مستنبط ہوتا ہے

جو حسب ذیل ہیں

وَمَا يَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ  
وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (یعنی) مگر وہ تو تمہارا خدا ہے جو چاہے تم کو مگر یہ کہ خدا  
اُسی نے پیدا کیا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے

كُلُّ شَيْءٍ بَقِيَّةٌ حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ۔۔۔ ہر چیز خدا کے فکد سے ہے یہاں تک کہ  
ماجری اور دانائی سے ہی سیکڑوں نصوص قرآن و حدیث کے ہیں جن

صاف متبادر ہوتا ہے کہ آدمی بالکل مجبور محض ہے مگر ایسا اعتقاد درست نہیں ہے  
اس سے اعمال کی جزا و سزا وغیرہ سب بیجا اور ظلم ثابت ہو جاتے ہیں۔  
(دوسرا فرقہ تدریہ ہے)

اسکا اعتقاد ہے کہ آدمی اپنے اعمال پر بذات خود قادر ہے اور جو وہ چاہتا ہے کرنا  
ہے اگرچہ انکا استدلال بھی بہت سارے نصوص قرآنیہ و احادیث سے  
خصوصاً وہ جو عذاب و ثواب سے متعلق ہیں مگر اس عقیدے سے نہ صرف ان  
نصوص سابقہ کا ابطال لازم آتا ہے بلکہ یہ عقیدہ بدیہی البطلان بھی ہے کہ  
بہت سارے امور کو وہ چاہتا ہے مگر کر نہیں سکتا جتنے کہ پادشاہ بھی اپنے  
دل میں بہت ساری آرزوئیں لیکر مرتا ہے اس لحاظ سے یہ عقیدہ بھی  
خلاف صواب و غلط ہے کیونکہ شان قدرت الہی میں اس سے نقصان  
اور شرک فی قدرت لازم آتا ہے۔

چونکہ یہ دونوں عقیدہ بھی افراط و تفریط کا پہلو لئے ہوئے ہیں لہذا اچھا  
مستقیم و اعتدال خالص کے متافی ہوئے۔ اسی واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے خلفا صدق و صوفیہ کرام کے کا یہ مشرب ہے کہ انسان نہ اس سے  
 معنے کرتے جسے جبر یہ اعتقاد رکھتے ہیں مجبور محض ہے اور نہ اس سے معنے کرتے  
 جسے قدیم نیر پیش کرتے ہیں قادر و مختار ہے بلکہ وہ ایک لحاظ سے مجبور بھی ہے  
 کیونکہ وہ خدا کا ہر ایک بات میں حتمی کہ خود اپنے وجود میں بھی سخت محتاج ہے  
 اور ایک لحاظ سے اسے اختیار و قدرت بھی ہے جسکی وجہ وہ اپنے اعمال کا  
 ذمہ دار و جوابدہ ہوتا ہے اور جب اعتبار الگ الگ ہو تو اب تناقض کی صورت

### پیدا نہ ہوگی۔ اسکی تشریح

یہ ہے کہ آدمی میں دو اصل دو چیزیں ملحوظ ہوتی ہیں ایک اسکی عین ثابۃ  
 دوسرا اسکا وجود۔ عین ثابۃ جو اسکی حقیقت ہے وہ معدوم ہے لہذا اسکی اصل  
 عدم ہونی اس لحاظ سے اسکے اعمال کی نسبت اسکی طرف لگانا کہ وہ اپنے قائل  
 ایسا ہی ہے جیسے ایک معدوم شے کی طرف کسی بات پر قدرت کی نسبت لگانا  
 جو بالکل لغو ہے۔ اب رہا وجود جسکے باعث وہ موجود کہلاتا ہے تو محض اسکی  
 بھی ان اعمال کا نسبت نہیں لگا سکتے کیونکہ وہ سب پر بحال فیضان رکھتا ہے

اگر محض اسی کے یہ افعال ہوتے تو سارے افعال میں بھی یکسانیت و یک رنگی ہوتی  
 حالانکہ شقی و سعید کے اعمال مختلف ہیں جیسے آفتاب کی مثال لیجئے کہ گرچہ  
 سارے آئینوں میں اسکا نور یکساں فیضان رکھتا ہے مگر آئینوں کی دلگاہی  
 کے باعث وہ نور بھی رنگا رنگ نظر آتا ہے جو آئینوں کے استعداد و قابلیت کا  
 طفیل ہے ورنہ وہ نور آفتاب تو بالکل سب سے علیحدہ اور ان سب رنگا رنگیوں  
 پاک ہے۔ ایسا ہی اعیان ثابۃ کو بمنزلہ آئینوں کے اور وجود کو مثل نور آفتاب  
 سمجھو اور بطرح سے ان رنگا رنگ استعدادات کو نور آفتاب کی طرف منسوب  
 نہیں کر سکتے ایسا ہی مختلف استعدادات اعیان ثابۃ کو وجود کی طرف منسوب  
 نہ کرنا چاہئے کیونکہ آئینوں کے استعدادات بلا نور آفتاب کے اپنی رنگارنگی  
 دکھا سکتے ہیں نہ اعیان ثابۃ کے استعدادات جو وجود کے اپنا ظہور کر سکتے  
 ہیں۔ حالانکہ مشاہدہ تو یہ ہے کہ ان رنگا رنگیوں کا ظہور نور آفتاب و آئینوں  
 دونوں سے ہو رہا ہے تو اب معلوم ہوا کہ ان رنگا رنگیوں اور نور آفتاب و آئینوں  
 ضرورت ہے ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو یہ استعدادات ظاہر نہیں ہو سکتے

تو اب ضرور ہوا کہ بطرح آپ ان الوان کے ظہور کی نسبت نور کی طرف سے بھی کریں  
 اس معنی کرتے کہ وہ ہی باعث ظہور ان الوان مختلفہ کا ہے اور آئینوں کی طرف  
 بھی کہ یہ انہی ذاتی استعدادات ہیں اس طرح مندر ہوا کہ آپ افعال و اعمال  
 عباد مختلفہ گونا گوں کی نسبت انہی طرف بھی کریں کیونکہ یہ انہی اعیان ثابۃ  
 کے ہی استعدادات ہیں اور خدا کی طرف بھی کریں بلکہ وجود ان استعدادات کو  
 ظاہر کرنا ہے اور ان کے ظہور کا باعث اول دراصل وہی ہے۔

غرض کہ صوفیہ کمال کو چوں کہ اس حالت کا اور اک ذوقاً و تحقیقاً ہوتا ہے اس لئے  
 بین الجبر و القدر انکاش ہوتا ہے۔ اور اہل سنت و جماعت جو اسی شریک  
 تابع ہوتے ہیں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیغمبر تابعین کے)  
 اس لئے ان کا مذہب بھی تقلید و اتباعاً بین الجبر و القدر ہونا چاہئے اب اگر  
 کوئی سوال کرے کہ آخر اعیان ثابۃ اور ان کے استعدادات بھی تو خدا ہی کے مقرر کردہ  
 ہیں تو پھر یہ پکارے انکار کا کیا قصور ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز کسی کی ذاتیات میں ہے ہوتی ہے وہ اس سے منسلک

نہیں جوتی اور نہ جس پر اعتراض ہو سکتا ہے ایسا ہی اسماء و صفات ربانی یہ  
 مقتضائے ذات ماری تھا لیا ہی جو اس سے کسی حال میں منکر نہیں ہو سکتے  
 اور اسماء و صفات باہم مختلف و متضاد ہیں اور یہ اعیان و ممکنات کے اختلاف  
 و متضاد ہونے کے باعث ہیں کیونکہ تمام اعیان ثابتہ انہی کے مطابق ہیں تو انکا  
 اختلاف ہی باری تعالیٰ کا مقتضاء کمال ذاتی ہوا اور یہ بالکل ضروری نہ تابدی  
 اس لحاظ سے یہ امر محل اعتراض ہو ہی نہیں ہو سکتا جیسا کہ فرض کرو کہ کوئی کمار  
 اعلیٰ درجہ کا استاد فن ہے تو اسکی اتادی کے کمال کا ظہور جب ہی ہوتا کہ اس  
 مختلف اشیاء کا بنانا ثابت ہو اگر وہ ایک ہی قسم کی چیزیں بنا دے تو اسکی  
 استاد، مسلم نہ ہو سکیگی تو معلوم ہو کہ جسطرح کمار کا ایک کمال ان تیار کرنا مقتضاً  
 اس کے کمال کا ہے ایسا ہی اسکا ایک کمال ان بنانا بھی مقتضاً اس کے  
 کمال کا ہے اور یہ اسکے کمال ذاتی کے لحاظ سے ضروری ہے اور یہ ہرگز  
 محل اعتراض ہو ہی نہیں سکتا اور جو چیز محل اعتراض نہ ہو اسکی نسبت تو جو کہ  
 اور غور کرنا ہے سو وہ ہے ایسی حالتیں یہ خیال کہ خدا نے زید کی عین ثابۃ

سید کیوں بنایا اور عمر کی عین ثانیہ کو شقاوت سے کیوں متصف کیا ایک بچہ

اور لغو خیال ہے بلکہ ایسا بنانا اس کے کمال ذاتی کا مقتضایہ اور لابدی -

انہیں اس مسئلہ کے سمجھانے کیلئے استعداد اور صراحت کر دیا جاتی ہے تاکہ اس

مسئلہ کا حل آپ پر بہت سہل ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ خیران و حدیث احکام

شرعیہ اور امور حقیقت و دونوں کا مجموعہ ہیں اور بہت سارے احکام ایسے ہیں

جو محض ظاہر شرعیہ پر ہی محمول ہو سکتے اور بعض احکام ایسے بھی ہیں جو محض

حقیقت پر ہی محمول ہو سکتے ہیں اور انکو ہر کس و ناکس سمجھ نہیں سکتا -

لہذا ایک کو دوسرے پر محمول کرنا بڑی سخت غلطی اور موجب فساد اعتقاد

و کفر الحاد ہو جاتا ہے اور یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے چنانچہ انسان کا اپنے اعمال پر

تمتاز و قادر ہونا جبکی وجہ سے وہ جوابدہ بنتا ہے شرعیہ کا حکم ہے تو اسکو

یہیں تک رکھنا لازم ہے اور آدمی کا اپنے اعمال میں مجبور محض ہونا ایک حقیقت



کا حکم ہے جبکہ وہی خوب سمجھ سکتا ہے جو اس مقام اعلیٰ تک پہنچا ہو۔ لہذا اس مسئلہ میں غور و خوض کرنے کو اذروئے شریعت مسئوع قرار دیا گیا ہے تاکہ ہر کس و ناکس اس کے سمجھنے کی پے میں پڑ کر تبتلائے الحاد و زندقہ نہ ہو جائے۔

س (۲۱) اہل سنت و جماعت میں صوفیہ کرام کی کیا شان ہے۔

ج (۲۲) اہل سنت و جماعت کی لطائف و تربیہ علم و عمل و تقسیم میں علماء اہل سنت و جماعت کی کیا شان ہے۔

یعنی علماء پھر ان علماء اہل سنت کی تقسیم میں اصحاب حدیث و فقہاء صوفیہ اصحاب حدیث و علماء اہل سنت میں جنہوں نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے و جمع کرنے اور صحیح کو مستقیم سے جدا کرنے میں اپنے کو مصروف رکھا اور ان سے احکام و مسائل کے استخراج میں ظاہر الفاظ کے مفید رہے اور فقہاء و علماء اہل سنت میں جبکہ اصحاب حدیث پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے علم حدیث کے حاصل کر نیکی بعد استخراج مسائل میں احادیث کے ظاہر الفاظ سے ترقی کر کے ان کے

معانی اور اشارات کی تحقیق و تدقیق میں وقت نظر اور  
تفقد سے کام لیا اور احادیث کے نسخ کو نسخ سے مطلق  
کو مقید سے محکم کو متشابہ سے مجمل کو مفسر سے مستاذ کر کے  
احکام شرعیہ کو استنباط و استخراج فرمایا اور صوفیہ وہ علماء  
اہل سنت ہیں جنکا اصحاب حدیث و فقہا پر فیضیت ہوئی کہ انہوں  
نے اصحاب حدیث اور فقہاء کے علوم حاصل کرنے کے بعد  
ان کے مختلف فیہ مسائل میں احوط و اسلم اقوال پر عمل  
کیا اور حُسنِ عمل کے بدولت انکو علوم احوال و مقامات پر عبور  
ہوا اور مراتب قرب الہی سے مشرّف ہوئے ۔ اور یہی  
علوم احوال و مقامات اور مراتب قرب صوفیہ کے  
علوم مخصوصہ ہیں اور اس طرح گرد وہ اہل سنت میں علماء  
اور صوفیہ کی نسبت خواص اور اخص الخواص کی ہے ۔

جن علوم احوال و مقامات سے صوفیہ کرام مصنف ہوتے  
ہیں وہ حسب ذیل ہیں ۔

توبہ ۔ زہد ۔ ورع ۔ محاسبہ ۔ صبر ۔  
رضاء ۔ توکل ۔ محبت ۔ خوف ۔ رحماء ۔  
شاہدات ۔ طمانیت ۔ شوق ۔ یقین ۔ قناعت ۔  
صدق ۔ اخلاص ۔ شکر ۔ ذکر ۔ فکر ۔ مراقبہ ۔  
اعتبار ۔ وجد ۔ تعظیم ۔ اجلال ۔ مذم ۔ حیا ۔  
جمع ۔ تفرقہ ۔ فنا ۔ بقاء ۔ معرفت نفس ۔ مجاہدات نفس  
ریاضات نفس ۔ وقایق زیار ۔ وقایق شہوت ۔  
شکر خفی ۔ عوارض و عوائق و حقایق اذکار ۔ تجرید  
و توصید ۔ منازل تفرید ۔ خفایات سر عیوب احوال  
حلم ۔ تواضع ۔ نصیحت ۔ شفقت ۔ احتمال ۔ موافقت

احسان - مدارات - ایشار - خدمت - الفت

بشاشت - فتوت - کرم - بذیل جاہ - مروّت -

جوہ - تودہ - عفو - سخا - وفا - تلطف -

ملاقات - سکینہ - وقار - دعا - ثناء - حسن ظن -

تصفیہ نفس - توقیر اخوان - حرمت شیوخ - وغیرہ وغیرہ

اصل یہ ہے کہ صوفیت کا وجود اپنی اصل یعنی ولایت

کے اعتبار سے حضرت آدم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے زمانہ سے اس وقت تک سلسل موجود رہا ہے اہم سابقہ

کے صوفی اولیاء اجار و رہبان وغیرہ القاب سے ملقب

تھے قرآن مجید میں صوفیوں یعنی انہیں اولیاء کو اتقیا

و صدیقین و صالحین کے ناموں سے یاد فرمایا گیا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے

بعد اولیاء اور افاضل اللہ میں سے جن حضرات نے حصہ

رسمت یناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت حاصل کیا تھا

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرک نام سے موسوم

ہوئے اس زمانہ میں صحابیت ایک ایسی فضیلت تھی جو دیگر

تمام فضیلتوں سے برتر تھی اس کے بعد دوسرا دوران حضرت

کا ہے جن کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت

کا شرف حاصل تھا یہ لوگ تابعین کے نام سے موسوم ہوئے

اور ان حضرات نے بھی اپنے لئے تابعیت کے لئے شرف

اسماء خیال کیا اس کے بعد ان حضرات کا زمانہ ہے جنہوں نے

حضرات تابعین کے فیض صحبت سے استفادہ کیا یہ حضرات

تہجۃ البین کے نام سے موسوم ہوئے اس کے بعد جب لوگوں میں اختلافات  
 پیدا ہوئے اور مرتبہ بزرگوار کی ضرورت واقع ہوئی تو اس زمانہ کے  
 خاص خاص لوگوں کو جن کو اللہ در دینی تمام طرف شہید توجہ تھی زہاد  
 و عبادت کہا گیا اس کے بعد جب چشتیہ خاں ہوئے لگیں اور مختلف  
 فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقہ نے دعویٰ کیا کہ ان میں زہاد موجود  
 ہیں تو خاص اہل سنت نے جنہوں نے اللہ عزوجل سے اپنی لوگائی  
 تھی اور جنہوں نے اپنے دلوں کو عقل کے راستوں سے محفوظ  
 رکھا تھا وہ اکابر و دہرے مدعی ہیں اہل تصوف کے نام سے  
 موسوم ہوئے۔ پہلے شخص جو صوفی کے لقب سے  
مشہور ہوئے وہ ابو ہاشم صوفی ہیں جن کا زمانہ ۱۶۱۷ء  
 ہے۔

س ۲۵۵ کیا تصوف دیگر مذاہب کی طرح جدید مذہب ہے یا اسی  
خالص دین اسلام کا نام ہے ۔

ج ۲۵۵ تصوف دراصل اسی درجہ احسان کا نام ہے جو دین اسلام  
کی اصل غرض و غایت اور جس سے مبرا و طاہری و باطنی کمال اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ہے اور اسی کمال اتباع نبوی کو ہی خالص دین اسلام کہنا سزاوار ہے جو ملاؤ

نظام پر دنیاویتہ اور بلا تفریط رہبانیتہ و باطنیتہ ایک  
ضرط مستقیم ہے ۔ الغرض تصوف کوئی جدید مذہب نہیں ہے

بلکہ خالص دین اسلام ہی کو تصوف کہہ سکتے ہیں ۔ اسلام  
اور تصوف میں کسی قسم کی مغائرت نہیں ہے ۔

س ۲۶۱ انسان عارف کب کہلاتا ہے ۔

ج (۲۶) انسان عارف ایوقت کہلا سکتا ہے جب جب ہنائی شریعت اپنے پروردگار کی ذات و صفات کی شناخت و معرفت حاصل کرے اور یہ ایوقت ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ذات و صفات کی شناخت کر لے اور موجودات عالم کے حقائق سے واقف ہو جائے۔ گویا خدا کی معرفت معرفت نفس انسان و معرفت حقائق عالم پر مبنی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

سُئِسَ بِهِمْ آيَاتُنَا فِي الْاَفَاقِ وَ اِيْطَحُّ وَ كُحْلًا وَ يَنْكَبُ هُمْ لِنُكُوْا بِنِشَانِيْنَ  
 فِي الْفَضْلِ حَتّٰى يَبَيِّنَ لَهُمُ الْاٰتِ الْحَقَّ کائنات عالم میں اور خود انکے نفوس میں  
 یہاں تک کہ صاف صاف واضح ہو جائیگا جو کچھ حق ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اسماء و صفات  
 باری تعالیٰ مظاہر ذات ہیں اور عالم کے تمام موجودات مظاہر اسماء و صفات باری  
 اور انہی کے مختلف مقتضیات کا نتیجہ پس عالم گویا اپنی اسماء و صفات کے مظاہر کا  
 بڑا مجموعہ ہے۔ اور انسان چونکہ عالم کا خلاصہ ہے۔ اس لئے وہ بھی تمام مظاہر  
 اسماء و صفات کا مجموعہ پُرا تو اسکی شناخت و معرفت کیلئے لازم ہوا کہ انسانی  
 اپنی ذات اور تمام عالم کا بغور مطالعہ کرے۔



یہی بات کہ اس اجمالی تفصیلی صورتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کمال ذاتی کے عرفان کا حصول آسان ہونے کیلئے یہ اجمالی و تفصیلی صورتیں بنائی گئی ہیں کیونکہ عام طور پر وہی کاریگر اور استاد فن مانا جاسکتا ہے جو اپنی کاریگری کو سطح و ہڈے سے بڑے پیمانہ پر بنانا جانتا ہو ایسے سطح اسکو چھوٹے سے چھوٹے پیمانہ پر بھی بنا سکتا ہو۔

مثلاً ایک معصور ایک شہر کی تصویر اگر بڑے سے بڑے پیمانہ پر مثلاً دو چار مربع سز کی سطح پر اتارنا جانتا ہو تو اسی شہر کی تصویر مع تمام جزئیات کے ایک چھوٹے چھوٹے کاغذ پر بھی اتارنا جانے اس مثال سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ خداوند تعالیٰ نے کیا تبارکی الآفاق کیوں فرمایا اور پھر اسکے بعد فی أنفسہم کیوں فرمایا۔ کیونکہ جب تفصیل آفاق یعنی موجودات عالم کی معلوم ہو گئی تو پھر اسکا اجمال جو نفس انسان میں ہے خوب معلوم ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی جب یہ اجمال یعنی انسان کا جامع جمیع عوالم ہونا معلوم ہو گیا تو اب ذات باری تعالیٰ کا جامع جمیع صفات ہونا بھی متحقق ہو گیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

معرفة نفسہ فقد عرف مرتبہ۔ یعنی جس نے اپنے نفس کی شناخت کی وہ اپنے رب کو بھی جان سکتا ہے۔

اور ایسی معرفت و شناخت والے شخص کو عرفا عارف کہا جاتا ہے۔ اور جب کہ عارف کامل اپنے نفس کی سیر یا انتہائی حد کو پہنچتا ہے تو اسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے جو کچھ پہچانا تھا وہ صفات کی حد تک ہی محدود تھا جو عوارض ذات میں رہی اپنی حقیقت ذات وہ پھر مجہول و غیر معلوم رہ جاتی ہے تو وہ کہنے ذات کی نسبت اپنی عاجزی کا اظہار و اقرار کرنے لگتا ہے اور یہ اُسے عین ہو جاتا کہ کہنے ذات باری تعالیٰ بالکل ناقابل اور اک ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے۔ ماعرف فالص حق معرقات۔

مس (۲۷) کیا عارف کامل کا پابند شریعت ہونا ضروری ہے۔

ج (۲۷) جواب نمبر (۲۷) میں عارف کی تعریف کر دی گئی ہے نیز یہ بھی کہ خدا کی معرفت اپنی اور عالم کی حقیقت کی معرفت پر مبنی ہے گو یہ عارف کامل اسامہ و صفات کے مظاہر کا مجموعہ ہے۔ اور جہاں اسامہ اللہ مختلف و متنازع و متعارض

ایسی طرح عارف اور انسان کمال بھی مجموعہ اخداد و موجودین العین ہے کیونکہ اسکی حقیقت یعنی اسکی عین ثابتہ فی نفسہ اولاً و آخراً معدوم ہے اور اسپر بر آن وجود کا فیضان ہونے سے وہ موجود کہلاتا ہے ورنہ آن ماضی بھی اسکے حق میں معدوم ہے اور آن مستقبل بھی معدوم اور ہر آن وہ اپنے وجود کیلئے اپنے رب کا محتاج ہے اور شریعت کے احکام چونکہ تعبدی ہیں اور بندگی کی نسبت مولیٰ سے قائم رکھنے کیلئے موضوع ہوئے ہیں ایسی حالت میں جب تک احتیاج الی اللہ قائم ہے تب تک بندگی کی نسبت بھی قائم ہے اور اسی تعبدی نسبت کا نام پابندی شریعت ہے کیونکہ اتصاف بالعبودیت ہی عین شریعت ہے۔ کیونکہ ثابت ہوا کہ شریعت کی پابندی عارف پر ضروری ہے اسکا ترک کیسی طرح عارف کمال ممکن نہیں۔ اب رہی حالت مسکرو وغیرہ جو بعض صوفیہ پر طاری ہوتی ہے وہ بیخودی کی حالت ہے جس سے وہ مکلف ہی نہیں رہتے اور شریعت تو عقل کے ساتھ ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

نہج

لَا تَقْرُؤُ الصَّلَاةَ وَانْتُمْ مُكَارِهُونَ  
یعنی حالت مسکرو نشہ میں نماز کے پاس

مگر چونکہ یہ حالت سکروں کے احوال کے طرح غیر دائم اور سریع الزوال ہے۔ لہذا اس کا اعتبار مخصوص ہے عام طور پر تو یہی کہا جائیگا کہ عارف کمال خواہ کیسے ہی مداح پر پہنچے اس سے رتبہ شریعت ممکن نہیں۔

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے تابعین صحابہ راہین و اولیاء کا لین کے احوال پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ کیسے پابند شریعت تھے۔  
س (۲۷) مسئلہ خلق تعالیٰ میں صوفیہ کرام کا مشرب کیا ہے۔

ج (۲۸) قضاء و قدر کے بیان میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ انسان کی حقیقت عدم یعنی اسکی عین ثابتہ ایک معدوم شے ہے جو ہمیشہ معدوم ہی معدوم ہے۔

ما شئت راحۃ الوجود ..... یعنی وجودی بوباس تک نہیں جانتی  
اور انسان کے افان و حرکات و سکنات یہ سارے اسکی عین ثابتہ کے آثار و

ہیں جو وجود میں ظاہر ہو رہے ہیں اور انکی نسبت اسکی طرف بھی ہوگی جو ظاہر فی الوجود ہو۔ عین ثابتہ کے آثار و استعدادات بغیر فیضان و جو و باری کے ظاہر ہی نہیں ہوتے  
لہذا انکی نسبت لازمی طور پر خدا کے طرف بھی ضرور ٹھہری جسکا فیضان انکی ظہور کا باعث

جیسا کہ نوے قراب اور آئینوں کی مثال یہ بیان کیا گیا ہے کہ آئینوں کی رنگارنگی کو دونوں کی طرف منسوب کرنا لازم ہے۔ فقط ایک ہی طرف جو علانیہ غلطی ہے۔

س (۱۹۳) سالک مجذوب کی تعریف اور انہیں فرق کیا ہے اور انہیں کیا حکم ہے۔  
ج (۱۹۴) سالک کی توفیق جواب نمبر (۱۸) میں بیان کر دی گئی ہے کہ وہ شاہ شریعت پر خاص طور سے چلنے اور اسکے مختلف مقامات پر استقامت کیساتھ سیر کرتے ہوئے منزل مقصود قریب و وصال ایزدی تک پہنچنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ اور مجذوب اسکو کہتے ہیں جو مختلف مقامات سیر و سلوک کی محنت و ریاضت اٹھائے بغیر پونہی آسانی کیساتھ یا ایک قرب و وصال ایزدی کے منزل مقصود پر فائز الزام ہو جاتا ہے تو گویا ایسے لوگوں میں مثال ہوئی جیسے کہ کوئی اونچے ننگے پر بغیر سڑیوں کے چڑھ کر محنت، خفائے ذریعہ سے اوپر کھنچ لیا جاوے چونکہ ایسے لوگوں کو اس ایک جذب و کشش سے ایک نئی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو سراسر ایگی اور مدہوشی اور دیوانگی مشابہ ہوتی ہے۔

لہذا ان کی نظر یک سخت دنیا و مافیہا سے اٹھ جاتی ہے اور بہت تنہا اسی عالم بالا کے

عجائب میں متفرق ہو جاتے ہیں اور اس طرح عام لوگوں کی نظریں دیرانے سے معلوم ہوتے ہیں بخلاف سالکین کہ وہ اس مقام قرب و وصال تک بتدریج تمام تعلات کی سیر کرتے ہوئے پہنچتے ہیں۔ لہذا انہی حالات و احوال کی اور جہانی کی نہیں ہوتی۔

اسی واسطے انکا درجہ بہ نسبت مجذوبین کے اتم و کمال ہوتا ہے اور ان سے اقامہ طور پر عموماً مثل انبیاء کے فیض و فائدہ لوگوں کو پہنچتا رہتا ہے اور یہ حالت مجدد حاصل نہیں۔ حدیث العلماء و مرثیۃ الانبیاء سے یہی لوگ مراد ہیں۔

س (۳۰) شطیحات کی کیا تعریف ہے اور انکا کیا حکم ہے۔

ج (۳۰) شطیحات ان کلمات کا نام ہے جو بعض بزرگان دین سے غفلت میں بطور فخر و تعلیٰ صادر ہوئے ہیں جو ایک قسم کا اودھا ہوتا تھا مگر محققین کا طعن سے مشغول

و نادار ہی سرزد ہوئے ہیں۔ اور چونکہ وہ مشتمل اودھائے حق ہوتے تھے۔ اس لئے

محققین کی زلات و لغزش کا لین سے متصور ہوتے تھے اسی وجہ سے ان کا کلام

بطور اندال کے پیش کرنا یا انہی غلط معنی لگانے کی کوشش کرنا یا ان پر پناہ لینا

والکار و تشنیع سے دیکھنا مناسب نہیں ہے۔

س (۳۱) کیا ولی کی شناخت کیلئے کوئی علامت مقرر ہے۔

ج (۳۱) کوئی ایسی علامت مقرر نہیں جو عائدہ الناس کو عام طور پر قاعدہ کلیہ کا کام دیکھے۔ اس الہیہ ان لوگوں کیلئے جو خود قابلیت و صلاحیت رکھتے ہیں علامتیں ہیں جو انہیں نے مخصوص میں نہ عوام کیلئے مثلاً حدیث - اذ اراد ان یرسلہ بنی اسخہ دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔

مذکورہ اولیاء اللہ کا پرچا ناٹھی شکل ہے اپنی شناخت در اہل وہی کر سکتا ہر جو خود بھی اُنہی شرب سے خاص لگاؤ رکھتا ہو۔ چنانچہ اسی بناء پر ضرب الشمل ہو چکی ہو ولی را ولی می شناسد۔

س (۳۲) قلب - غوث - ابدال - افراو - بخار - نقباء - اوراد کی تعریف کیجئے۔  
ج (۳۲) قلب - ہر زمانہ میں ایک برگزیدہ شخص ہوتا ہے جو تمام عالم خاص طور پر نہ کا منظور نظر ہوتا ہے اور اس کا اثر تمام عالم کے جزو کل میں ایسا پڑتا ہے جیسے روح کا اثر تمام جسم میں۔ کیونکہ خدا کے طرف سے اُسے تعریف اعظم عطا ہوتا ہے اور فیضانِ اعم کی ترازو اس کے ہاتھوں میں دیکھائی دیتا ہے اور وہ

والفیل پر ہوا۔ اعلیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روح حیات کا افادہ کرتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ قلب حضرت اسرافیل پر ہوتا ہے یعنی اس ملکوتیت کی وجہ سے جو اودھیات کی حامل ہے نہ اس انسانیت کی وجہ سے جس میں وہ سب کا شریک و برابر ہے۔

غوث۔ جس قطب میں فزادری کی صفت خداوند عالم نے ودیعت کی ہو وہی غوث کہلاتا ہے۔

ابدال۔ جمع بدل کی ہے۔ یہ سات برگزیدہ شخص ہیں جنہیں سے اگر کوئی مر جاوے یا اپنا ٹھکانہ چھوڑے تو ضرور اپنی جگہ کسی کو قائم کر جاتا ہے ہر مال سات کی تعداد کم نہیں ہوتی یہی وجہ تسمیہ انکی ہے بعضوں نے انکی تعداد چالیس بتائی ہے واللہ اعلم بہ قلب حضرت ابراہیم پر ہوتے ہیں۔

فرار۔ یہ وہ یگانہ روزگار و یکتائے زمانہ اشخاص ہیں جو نظر انقلاب سے خارج ہوئے ہیں۔

افادہ۔ جمع و تد کی ہے و تدیخ کو کہتے ہیں یہ چار شخص ہیں جو چاروں ستارے ہنر



مغرب و مشرق و جنوب و شمال میں متعین ہیں۔

پہچان۔ ان کی تعداد چالیس بتائی جاتی ہے۔ ان کا نام ہمیشہ عام طور پر خلّاق کی کشت بر آری و امداد ہے یہ ہمیشہ اپنے غیروں کیلئے وقف ہیں۔

تقدیر۔ ان کی تعداد تین سو بتائی گئی ہے ان کا نام ہمیشہ نفوس انسان کے پوشیدہ ارادہ کا استخراج ہے۔

س (۳۳) ابو الوقت اور ابن الوقت سے کون مراد ہیں۔

ج (۳۴) وقت صوفی کے اس حال کا نام ہے جو اس کو استعداد عطا کرتا ہے یعنی وہ غیر کس کتاب و تصنیف کے حامل ہو جاتا ہے اور جان کی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے صوفی قلب پر وارد ہوتا ہے۔ جس کو اصطلاح تصوف میں ابرو

کہتے ہیں جو دیر تک قائم نہیں رہتا اور اگر قائم رہ جائے تو مقام کہلاتا ہے نہ حال

بعض اعلیٰ پایہ کے صوفیہ کرام ایسے بھی ہیں جنہیں اس نئے حال پر اقدار عطا ہوتا ہے

اور وہی ابو الوقت کہلاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں یہ اقدار نہیں ہوتا بلکہ وہ

اس ار قلبی کے تابع ہو جاتے ہیں جیسے کہ عموا صوفیہ کی کیفیت سے تو ان کو اس

کہتے ہیں یہاں اتنا سمجھنا کافی ہے

س (۲۲) معجز و کرامت۔ استدراج۔ ارباص کی کیا تعریف ہے۔

ج (۲۲) یہ چاروں خرق عادات ہیں اگر بلا ایمان و عمل صالح کے یہ امور کسی میں پیش  
توانخواستہ راجح کھینکے جسکے معنی ڈھیل دینے کے ہیں جس کسی کو خداوند عالم خرق عادات  
دیتا ہے گویا اُسے ڈھیل دیتا ہے اگر یہی امور ایمان و عمل صالح کیساتھ ہوں تو اگر  
کہلاتے ہیں اور کرامت کے معنی بزرگی کے ہیں خداوند عالم صالحین کی بزرگی اس طرح  
جٹاتا ہے۔ اور اگر نبی سے ادعائے نبوت کیساتھ ان امور کا ظہور ہو تو وہ معجز و کہلاتے ہیں  
یہ چیز عام لوگوں کو خداوند عالم کی طرف سے عاجز کر نیوالی اور نبوت کی تصدیق پر مجبور کر نیوالی  
ہوتی ہے اور اگر قبل ادعائے نبوت نبی سے یہ امور صادر ہوں تو انکو ارباص کہا جاتا ہے  
جو معنی پختہ کر نیسکے ہیں۔ گویا ارباص کے ذریعہ سے خداوند عالم نبی کی نبوت کو قبل اوقبل  
منقبوط اور پختہ کر دیتا ہے۔

س (۲۵) یقین کے مراتب بیان کرو۔

ج (۲۵) یقین کے تین مراتب ہیں۔ عظم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔

علم الیقین وہ ہے جو دلائل سے مسلم ہو۔ اور عین الیقین کشف و شہود سے اور عین الیقین  
ذوقاً و تحقیقاً حاصل ہوتا ہے مثلاً موت کا علم تو علم الیقین ہے اور جب سکرات شریعہ  
مہر جامے تو یہ عین الیقین ہے۔ اور جب موت ذوقاً و تحقیقاً حاصل ہو جائے تو یہ  
حق الیقین ہے۔

ص (۳۶) تشبیہ و تنزیہ کی کیا تعریف ہے۔

ج (۳۶) لغت میں تشبیہ کے معنی مشابہت دینے کے ہیں۔ اور تنزیہ کہتے ہیں  
پاک کرنے کو اور اصطلاح میں صفات حدوث جو مخلوق کے صفات ہیں انکی نسبت  
خدا کی طرف کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں اور تنزیہ ان صفات سے خدا کو پاک سمجھنے کا نام ہے۔  
چونکہ یہ دونوں باتیں نصوص کتاب و سنت سے خدا کیلئے ثابت ہیں۔ لہذا ان دونوں کا  
اثبات خدا کیلئے لازمی ہوا جو محققین صوفیہ کرام اور سلف صالح کا طریقہ ہر اور تھا  
کسی ایک پر اقتصار کرنا جیسا کہ مجسمہ و ضویہ اور معتزلہ و فیرہ کہتے ہیں اس کا  
طریقہ کے خلاف ہے بلکہ خداوند عالم کی ذات و صفات کی عدم معرفت کا سبب ہے۔  
کیونکہ جہاں الکی ذات کا مقتضادرجہ الطلاق کہ ہے۔ وہاں الکی صفات و اسما کا

درجہ تعین و تقید کا ہے یعنی جیسے کہ اسکی ذات بہت کا درجہ ہو یہی کچھ لحاظ سے  
 ہر شے کی نسبت سے پاک و مطلق ہے ویسی ہی اس کے اسماء و صفات کا مقتضائے تمام  
 تعینات و تقیدات پر مثال ہے جو عالم میں بصورت کثرت پائے جاتے ہیں بہ طور  
 ہوا کہ معرفت صحیحہ کا ماحول اسکی ذات کو درجہ اطلاق و لاتعین میں مطلق و منزہ ثابت  
 کرتی ہے ویسی ہی یہ معرفت اسکی ذات کو درجہ اسماء و تعینات میں تشبیہ و تقید عطا کر  
 ہے ورنہ ذات کو صفات سے الگ اور صفات کو زاید علی الذات کہنا لازم آوے گا  
 اور ایک وجود میں دو چیزیں ثابت کرنی پڑے گی جو خلاف توحید اور اثبات انہیثیت ہے  
 اور محققین کے نزدیک ایک گونہ شرک متصور ہے۔ اسوجہ سے عارفین کا ملین کا وہی  
 طریقہ ہے جو سلف صالح کا ہے کہ تشبیہ فی التنزیہ اور تنزیہ فی التشبیہ ثبات و متحقق  
 جانتے تھے جیسا کہ ذات متحقق فی الصفات ہے و یا ہی صفات متحقق فی الذات  
 ہیں اور ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں۔

الغرض یہی صورت عرفان کامل کی ہے جس میں صفات و اسماء کے لحاظ سے تشبیہ بھی  
 انکار لازم نہیں آتا اور ذات کی اطلاق کے لحاظ سے تنزیہ بھی لازمی قرار پاتی ہے۔

ایسواسطے عارفین کا طین کے سوا کوئی اس معرکہ کو جیسے چاہئے ویسے حل نہ کر سکا اور نہ کر سکتا ہے۔ مہم چوں نزدیک حقیقت رہا افسانہ زود۔

س (۳۷) مشاہد اور مراقبہ کی تعریف کیجئے۔

ج (۳۷) حدیث مذکورہ آغاز کتاب میں جو احسان کے دو درجہ بتائے گئے ہیں وہ  
 یہاں یعنی اعبدا للہ کا تک تو اذ یہ مشاہدہ ہے اور فان لم تکن تراہ فانک یراک  
 یہ مراقبہ ہے کیونکہ اصطلاحاً مشاہدہ اسکو کہتے ہیں کہ صوفی ہر حالت و ہر چیز میں خدا کے  
 ظہور کا مطالعہ کرے۔ اور مراقبہ اسے کہتے ہیں کہ صوفی ہر حالت میں خدا کو اپنا حاضر  
 ناظر سمجھے۔

س (۳۸) فکر اور ذکر کی کیا تعریف ہے۔

ج (۳۸) آفاق و انفس یعنی عالم کی موجودات اور خود اپنے آپ میں غور کرنے  
 اور دلائل توحید کو پہنچنے کا نام فکر ہے اور انہی دلائل سے خدا کو ہر دم یاد کرنے کا  
 نام ذکر ہے۔

س (۳۹) رتبہ مشنیت کیا ہے۔

ج (۳۹) شریعت اور حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور  
جانشینی کو رتبہ شیخ کہتے ہیں یہ رتبہ نہایت جلیل القدر رتبہ ہے جسکی توفیق اسطرح ملگئی ہے  
کہ الشیخ فی قومہ کا النسب فی اہمۃ یعنی پیرو مرشد اپنی جماعت میں ایسا ہی ہوتا ہے  
جیسا کہ پیغمبر اپنی امت میں ہوتا ہے اور چونکہ یہ رتبہ علم شریعت و حقیقت دونوں کو شامل  
اس لئے بمصدق العلماء و شرفہ الانبیاء اسی رتبہ والا وراثت نبوت کا مستحق تصور  
ہو سکتا ہے۔ اور علماء سے مراد وہی علماء و ربانین و حارثین و رنجین کامیں مکملین ہیں جو  
در اصل پیشوایان دین و رہنمایان مسلمین و متصدیان کامیں فی العلم انظار و البیان  
ہیں جنکی اقتدا میں اقتدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

ص (۴۰) مشایخ صوفیہ کا طریق کیونکر چلا آ رہا ہے۔

ج (۴۰) مشایخ صوفیہ کا طریق در اصل خالص دین اسلام کا طریق ہے جس  
شارع و عامل خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کے جانشین تمام  
صحابہ تابعین و تبع تابعین اسکے پاندر تھے جسکا مختلف پانچ جواب (۴۱) میں  
گزر چکا صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا مبارک دور ختم ہونے کے بعد سنیہ کے

حدود میں جب اس قدیم طریق میں عام طور پر نمایاں تفسید واقع ہو گیا  
 تھا تو حضرات صوفیہ کرام نے اس قدیم طریق کی تجدید کی  
 اور جو نعمت باطن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت  
 علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ سے اہل بیت نبوت اور  
 خلفاء میں سلسلہ بہ سلسلہ چلی آرہی تھی وہی اس زمانہ میں اصل  
 اصول طریق تھی اس طریق کا فیض کامل اول و آخر سب اسی مبارک  
 سلسلہ سے دنیا میں مشاع ہو رہا۔

س (۳) اختلاف طرق کی کیا وجہ ہے۔

ج (۴) اختلاف طرق کی تفصیل جواب نمبر (۸) میں ہو چکی  
 ہے پھر بھی مختصراً یہاں اسکی صراحت کی جاتی ہے الطرق الحلیہ بحسب  
 الانفس یعنی خدا کی طرف پہنچنے کے اتنے ہی راستے اور طریقے ہیں  
 جتنے نفوس بشریہ ہیں کیونکہ شریعت بمنزلہ ایک شاہ راہ عام کے ہے۔  
 جس پر ہر سالک کے چلنے اور مقامات کی سیر سے ایک چھوٹی راہ اس کے

نفسِ ظم سے بنتی ہے اور وہ اسکی سالک کی ذات سے خاص ہوتی ہے  
 کسی دوسرے کا اُسپر چہ نہ نکس ہے کیونکہ وہ خاص تجلیاتِ ربانی و  
 ردِ ابطِ تعبّی و تعلّاتِ زمینِ الرب والعبد پر مبنی ہوتی ہے جو ہر ایک کے  
 ساتھ الگ الگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ کُل دیوہر فی شانِ اس  
 دینِ اِلاّہی ہے مگر اُسکیا کہ ہی ساتھ چند ایسے امور بھی ہیں جو اس شخصیت  
 سے مستثنیٰ ہیں اور جن پر عمل کرنا دوسروں کیسے بھی ممکن ہے۔ مثلاً  
 خاص خاص قسم کے اوراد و اذکار اوعیمہ و عبادات وغیرہ وغیرہ ہیں  
 اور یہی وہ چیزیں ہیں جو ایک پیر اپنے مریدین کو یکساں طور پر تسلیم و تعین  
 کرتا ہے اور وہی امور پیر و مرشد کی طرف منسوب ہو کر اس کا طریقہ  
 کہلاتے ہیں۔

الغرض اختلافِ طرق کی یہی وجہ ہے اور صوفیہ کیلئے یہ اختلاف  
 طرق ناگزیر ہے کیونکہ ایک سالک کیلئے جو تجلیاتِ ربانی اسکی مربیِ مختص  
 اگر وہی دوسرے سالک کیلئے مربی و متعلیٰ ہو جائیں تو تجلیاتِ الہی کا متناہی ہونا



اور تکرار فی الوجود لازم آئیگا حالانکہ ذات غیر متناہی کے تجلیات بھی غیر متناہی ہونا ضروری و یقینی ہے و لا تکرار فی الوجود۔

کس (۴۲) متصوف و متشبہ کون ہے۔

ج (۴۲) صوفیائے کرام کے تین مدارج قرار دئے گئے ہیں۔ اہل ایمان صاحبانِ علم۔ ارباب ذوق۔ ایمان اصل اصول ہے جو متشبہ و متصوف اور صوفی میں یکساں پایا جاتا ہے۔ متشبہ میں محض ایمان ہوتا ہے۔ اور متصوف میں ایمان کیساتھ

علم بھی اور صوفی ایمان، علم اور ذوق تینوں صفات سے متصف ہوتا ہے متشبہ کی نظر اور توجہ چونکہ متصوف کی طرف رہتی ہے اسلئے اسکو متصوف کے احوال سے بھی کچھ حصہ بجاتا ہے

اس طرح متصوف بھی صوفی کے احوال سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ صوفی زاہد کی طرح ہے اور متصوف تہذیب کے منہ جو زاہد شہنشاہ کی کوشش میں ہو اور متشبہ وہ جسکی صرف نیت زہد اختیار کر رہی ہو۔

اوپر چھ تینوں صفات نہوں بلکہ صرف اپنی وضع بنائی ہو وہ نہ صوفی ہے نہ متصوف

اور نہ متشبہ۔ بلکہ وہ متشبہ کا متشبہ ہے جو عجیب ہیں، ایک مصداق لاشعری جلیسہ اپنے تشبہ صادق کی وجہ سے کچھ حاصل کرے۔

کس (۴۳) طریقہ طاعت اور اسکی شرح حاشیہ کیا ہے۔

ج ۴۲، طریقہ طائیفہ و طریقہ چچے جسے خاص طریقہ اسلام کہنا چاہئے۔ شیخ ناکسہ  
 محی الدین ابن عربی حمید اللہ وغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرقہ کا سرگز  
 بتایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ سجدہ جماعت اپنے آپکو ہمیشہ ظاہر میں لگا ہوا نہیں بلکہ  
 معمولی انسان ظاہر کریم کی کوشش کرتی رہتی ہے تاکہ اپنے تقدس و عرفان و تقویٰ  
 الی اللہ کو اغیار کی نظروں سے مخفی رکھے اور اغیار سے کوئی انجی اسرا پر دامن  
 نہ ہونے پائے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک پر نظر ڈالی جائے۔  
 واضح ہو سکتا ہے کہ حضور نے کس طرح اپنے آپ کو باوجود اس تقرب و وصال  
 ایزدی کے جو کسی انسان کو حاصل نہیں تھا ایک معمولی انسان کی صورتیں پوشیدہ رکھا اور  
 کبھی اپنے ساتھیوں سے اپنے آپکو کسی شخص سے بھی ممتاز نہ ہونے دیا اسوجہ سے  
 مسلمانوں میں سے بعض کو تاہ نظر فرمے مثلاً وہابیہ خارجیہ وغیرہ وغیرہ حضور کی ذات  
 کوئی خصوصیت بجز نبوت کے نہیں بتاتے اور خداوند عالم کے اس امر متعلقہ ہو کہ  
 کھائے ہوئے ہیں کہ

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُفْضِلُ اللَّهُ مَن يَشَاءُ لِيُخْرِجَنِي مِنْهَا أَوْ يُرْسِلَنِي فِيهَا قُلْ مَن يَمْلِكُ عِندَ اللَّهِ مَن يَشَاءُ لِيُخْرِجَنِي مِنْهَا أَوْ يُرْسِلَنِي فِيهَا قُلْ مَن يَمْلِكُ عِندَ اللَّهِ

جالا کہ حضور اقدس کی شان بشری عام انسانوں کی بشریت ہے بہت ارفع و اعلیٰ  
 خداوند عالم نے جہاں حضرت کو پیکار جسم و صورت ظاہری بشیرت مل کر کہنے کی ہدایت  
 فرمائی وہیں روحانی اتق کا ایسا ایجاز قائم فرمایا کہ اسکے بعد کسی فرد بشر کی یہ مجال نہیں ہے  
 کہ وہ حضور انور کو مثل اپنے معمولی بشر خیال کر سکے بلکہ ہمارا یہ فرض ہے کہ حضرت کی شان  
 ہمیشہ ہم اس شعر کا مصداق سمجھے تریں و بس۔

اور خداوند سے اصل اور مخلوق میں شامل خواص اس پنج کبریٰ میں ہے حرف بند کا  
 غرض کہ اس تقریر سے آپکو واضح ہو گیا ہو گا کہ فرقہ بندیہ دراصل صوفیہ کرام میں علیٰ ترین  
 اور اخص الخواص فرقہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی اقتداء  
 اور پیروی میں سب سے زیادہ راسخ القیم اور سب سے زیادہ بلند پایہ رکھتا ہے جتنا  
 مسلک اس شعر کا مصداق ہے۔

انہی دلوں شواہد و نشا و نہوں بیگانہ و غائبین زیاروش کم فی بود اندر جہاں  
 یہ مختصر طریقہ ماتیہ کی غایت یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا جہاد نفس ہے اور یہ ریاست پر کام  
 عمل فرمایا ہے و بس۔

س (۴۴) اصحابِ تلوین و اصحابِ تگین کون ہیں۔

ج (۴۴) اصحابِ تلوین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی غیر سلوک کی راہ میں ہوتے ہیں اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے جاتے ہیں۔ مختلف احوال کے نگہ انگارنگ بدلتا رہتا ہے جو عینِ معنی تلوین کے ہیں۔ اور اصحابِ تگین وہ لوگ ہیں جو وصل الی اللہ ہو گئے اور منزلِ مقصود کو پہنچ چکے انہی شانِ استقامت کی ہوتی ہے اکثر صوفیہ کے پاس مقامِ تلوین ایک ناقص مقام ہے مگر شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس اہلِ اکمل مقامات جن میں صوفی صفت باقی کلّ یوم ہو فی ثبات سے متصف ہوتا ہے اور شیخ موصوف کے پاس تگین فی التلوین ہے یعنی کلّ یوم ہو فی ثبات کی صفت کمالِ حرب کا حصول۔

س (۴۵) قربِ ذائل اور قربِ فراخ کی کیا تحقیق ہے۔

ج (۴۵) قربِ ذائل کی محض تحقیق یہ ہے کہ جب بندہ معروضہ عبادت کے سوا دیگر عبادات میں مصروف ہوتا ہے تو خداوندِ عالم اس کو پاہنے لگتا ہے۔ یعنی خداوندِ عالم محبتِ عود پر محبوب ہو جاتا ہے اور خداوندِ تعالیٰ کا ظہور اسکے تمام اعضاء و جوارح میں



مس (۴۴) کیا دنیا میں دیدار خدا ممکن ہے۔

ج (۴۸) دیدار سے دو باتیں عرفا مراد ہو سکتی ہیں ایک اور اک بجائے چشم ظاہری  
دوسرا احکام چشم بصیرت پہلی صورت جو زیادہ مستعمل و متبادر الی الذہن ہو اگر قی ہے یہ  
خداوند عالم کے دیدار کے لئے اس دنیاوی نشاۃ میں رکھنا ممکن مضر ہے چنانچہ  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں کہ سَتِّیْ لِمَیْنِیْ اے اللہ مجھ کو  
اپنے آپ کو دکھائیے۔ لیکن قرآنی کا خطاب ہوا ہے اے موسیٰ تم مجھے سرگرم رہنا چاہئے

جب ایک جلیل القدر نبی کا یہ حال ہے جبکہ خداوند عالم سے کلام کرینے کا شرف بھی محال تھا تو پھر عوام مسلمین کا کیا ذکر ہے۔ اہل یہ ہے کہ انسان کی حائے بصری میں کام کرتی ہے جہاں چیز دلوں پایا جاوے جو موجودات عالم تک ہی محدود ہے باری تعالیٰ ذات علی الاطلاق چیز دلوں وغیرہ سے منزہ و برتر اور غیر محدود و غیر متناہی ہے اسوجہ سے حائے بصر اسکے ادراک سے قاصر ہے۔

الفرض دنیاوی نشأت میں باری تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

البتہ آخرت میں خداوند عالم جبکہ چاہیگا اپنے دیدار سے مشرف و تائبیگا۔

ربا معراج میں نبی کریم کا بحالت نشأت دنیوی دیدار الہی سے مشرف ہونا یہ ایک خاص بات تھی جو حضرت ہی کی ذات سے منحصر تھی۔ عام انسان یا اولیاء کرام تو کجا دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہ ہو سکی اور آپ کی دنیاوی نشأت بھی خاص تھی یعنی دوسرے دنیاوی نشأت اور آپ کی نشأت کثیف و لطیف کا فرق تھا اس لحاظ سے آپ کا دیدار الہی سے مشرف ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ آپ کا دیدار الہی سے مشرف ہونا یقینی ہے مگر یہ بتانا کہ دیدار کس

تھا مشکل ہے۔

سن (۲۹) انسان کے موت کی کیا حقیقت ہے؟

ج (۲۹) روح جو ایک مدت کیلئے جسم عنصری میں رکھی جاتی ہے وقت مقررہ کے اسکے جسم سے علیحدہ ہونے کو موت کہتے ہیں اور صوفیائے کرام نے موت کی پتر اسطرح کی ہے۔

اَلْمَوْتُ جَسَدٌ يَوْمِلُ الْحَيَاةَ بِالْجَنِينِ یعنی موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو

دوسرے دوست تک پہنچا دیتی ہے۔

روح اور جسم کی مثال بالکل ایک پرند اور ایک قفس کی سی ہے۔ پرند کو چھوڑ دینا

بعد اسکی جو کینیت ہوتی ہے وہی کیفیت بعد موت کے روح کی ہوتی ہے یعنی

جھٹک کر ہی پرند کو پھر سے سے انت ہو جاتی ہے اور اسکی قہر پر دوز بھی زائل

ہو جاتی ہے۔ اگر اسکو چھوڑ بھی دیا جائے تو بجائے اسکے کہ وہ وسیع فضا کی سیر کرے

وہ پھر سے کو شیاں چھوڑتا اور پھر اسی میں گھسنا چاہتا ہے بخلاف ان پرندوں کے جنہیں

پر دوزی قوت باقی ہوتی ہے اور انکو قفس سے انت بھی نہیں ہوتی وہ اطلب کے چلے جاتے ہیں۔

یہی مثال کفار و فاسق اور اہل ایمان کا مین کی ارواح کی ہے کہ کفار و فاسق کی روہیں  
جسم کی انت و دنیاوی زندگی کی الفت سے بعد از مرگ اور زیادہ مصیبت میں مبتلا  
ہو جاتی ہیں اور جو مومنین کا مین ہیں وہ چونکہ دنیاوی زندگی میں بھی روحانی مذاق بہتر  
ہیں اسلئے ان کی روہیں موت کے بعد عالم بالا و اسفل کی سیر میں مصروف ہو جاتی ہیں  
الغرض دنیاوی زندگی کے خاتمہ کا نام موت ہے۔ اور دنیاوی زندگی وہی اچھی ہے۔

جو اعمال صالح میں بسر ہو جیسا کہ جناب باری عز اسمہ سے ارشاد ہوا ہے۔  
خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا  
یعنی مزاجینا اسلئے لگایا تاکہ آزمائے کہ  
کون اچھے سے اچھا عمل کرتا ہے۔

اور جیسا کہ صائب نے فرمایا ہے۔

ترا اور بوتہ گل بہر آن داوند این مہلت

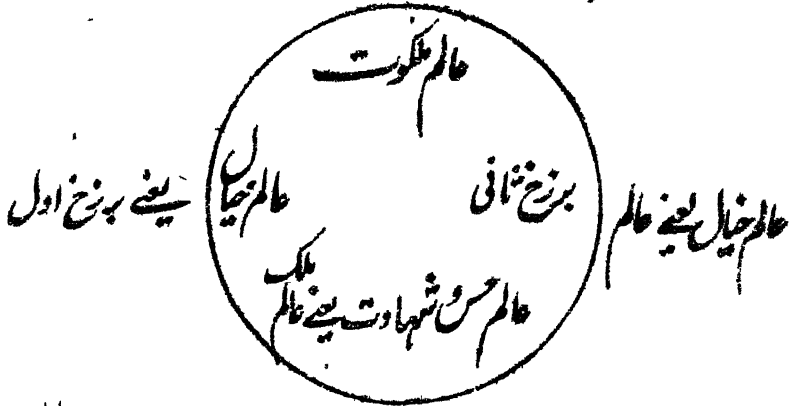
کہ سیم ناقص خود را کنی کال عیار اینجا

مس (۵۰) کیا اولیاء اللہ بعد از وفات زندہ ہیں اور کیونکر زندہ ہیں اسکا ثبوت

کیا ہے؟



رج (۵۰) اولیاء اللہ بیشک زندہ ہیں مگر انکی وہ زندگی اس عالم دنیوی کی سی زندگی نہیں ہے بلکہ وہ ایسی زندگی ہے جسے حقیقت میں زندگی کہنا چاہئے اور روح قیامت تک عالم برزخ ثانی میں رہے گی جو عالم حسن و شہادت یعنی عالم ملک اور عالم ملکوت درمیان ہے اس عالم کو عالم خیال منفصل بھی کہتے ہیں اور یہ عالم چونکہ دوری ہے اور وہ عالم برزخ اول جہیں ارواح قبل حیات جہدی تھیں اور عالم برزخ ثانی جہیں رہیں بعد وفات رہتی ہیں جدا جدا ہے اور انکی صورت اس طرح ہے۔



اَقُولُ لَہٗ تَعَالٰ

عالم برزخ ثانی کا ثبوت اس آیت کریمہ سے ملتا ہے۔

وَمَنْ فِيْ بَرْزَخٍ اٰلِیْہِمْ یَعْمَلُوْنَ یعنی وہ ایک برزخ میں ہیں جہاں تک

حکمہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ اس میں

اسی برزخ ثانی کی طرف اشارہ ہے اور حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ کی تصریح ہے کہ اس برزخ ثانی کا علم کسی کو نہیں ہوتا بخلاف برزخ اولیٰ کے کہ اس کا علم بذریعہ کشف الہی اللہ کو ہوتا ہے۔

رہا اسکا ثبوت کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں یہ نہیں سیکڑوں آیات و احادیث سے ملکتا ہے ہر فردوں کے سنے اور عذاب قبر کے بارہ میں علماء میں کمر ہائے ایک آیت حیات شہدا ہی کافی ہے۔

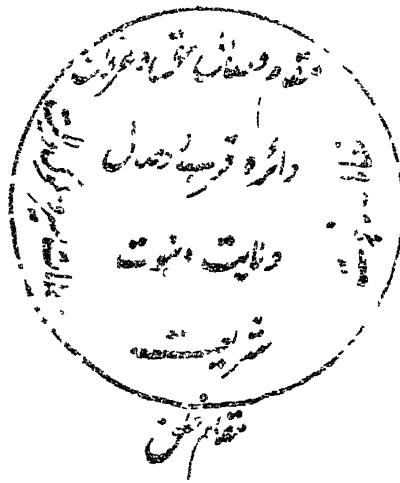
وَلَا تَحْسَبِ الدِّينَ قِتْلًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
یعنی اُن لوگوں کے متعلق جو خدا کی راہ میں  
امواتاً۔

بلکہ دین میں انحراف و یاجاتا ہے۔

فَإِنْ حَيَّيْنَاهُمْ بِأَمْوَالِهِمْ اللَّهُ  
خوش و خرم میں خدا کے لئے ہوئے سے

جب خدا کی راہ میں کفار سے لڑ کر مارے جانے کے یہ مدارج ہیں تو ہمیشہ خدا اور سوائے  
الطوائف میں نفس و شیطان کے مقابلہ میں جہاد کرتے رہنے کے کچھ مدارج ہوں گے

وہ ظاہر ہیں جیسا کہ واروہت۔



پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ لوگوں کی اولیٰ مس النبوۃ یہاں ولایت سے مناسبت  
خاصہ مقصود ہے۔

یہ جو ہر ایک نبی کو حاصل ہے نہ ولایت عامہ جو اولیاء اللہ کو حاصل ہے۔  
اس تقریر سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مقام ولایت ایک حد خاص پر موقوف ہو جاتا ہے  
بمختلف مقام نبوت کے کہ اسکے لئے کوئی حد انتہا نہیں ہوتی اور نیز مقام نبوت  
دولایت پر عموم مخصوص غلطی کی نسبت پہلے ہی ضروری ہوتا ہے لیکن ہر ولی  
نبی نہیں ہو سکتا۔

س (۵۲) کیا کرامات و خوارقِ عادات اولیاءِ کیلئے ضروری ہیں؟

ج (۵۲) کرامات و خوارقِ عادات اولیاءِ اللہ کے نزدیک سخت افتخار و تکریم کے قابل تصور ہوتے ہیں اس عالم دنیا کی خصوصیت یہی ہے کہ یہاں ستر و ابہام کی ثنائیت رہے تاکہ ریا و سخت و متعجب کالگاؤ نہ ہونے پائے بخلاف آخرت کے کہ وہاں ستر و ابہام کا ظہور و انکشاف لازمی ہے وہاں خدا کی رویت و دیدار ہونا مسلم ہے بخلاف یہاں کہ دیدار و رویت تو کجا اسکی معرفت بھی مشکل ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔

کہ خاصاں دیر رہ فرس راند اند - بلا اھی از نگ فروماند اند۔

الغرض خرقِ عادات اس عالم کے نشأتِ مخصوصہ کے خلاف ہیں جبکہ انجی سخت ضرورت نہوتی تک انکا ظہور ہونا چاہئے کیونکہ اولیاءِ اللہ کو مخلوق سے کچھ کام نہیں ہوتا چنانچہ وارو ہے۔

اولیائی سخت قبائی لا یعرفہم غیری یعنی میرے مقبول لوگ میرے قبا کے اندر ہیں انکو بجز میرے کوئی نہیں پہچان سکتا۔

البرہۃ انبیاء علیہم السلام کو جنکو خاص مخلوق کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا گیا ہے

اور مخلوق جب تک خرق عادت کا ظہور نہ ہو وہ نہیں مانتی اسلئے انبیاء علیہم السلام کو بجز آ  
یعنے خرق عادات کے اظہار کی اجازت ہے اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ خرق عادات  
اولیاء کیلئے ضروری ہے بالکل غلط ہے۔

س (۵۲) کشف والہام اور وحی کی کیا حقیقت ہے؟

ج (۵۳) کشف اصل لغت میں پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اون  
معاذی اللہ اور امور حقیقیہ پر اطلاع پانے کا نام ہے جو پردہ غیب میں مخفی ہوں اور الہام  
اسم کا نام ہے جو دل میں یکایک بغیر کسی استدلال و حجت کے آوے۔ اور عملی  
داعی ہو یا وہ جو دل میں بطریق فیضان کے آجاوے اور وحی اسکو کہتے ہیں جو  
نفس میں تھا و سرعت کے ساتھ ڈالی جاوے مگر اصطلاح میں یہ انبیاء علیہم السلام  
کیا تھ مخصوص ہے۔

س (۵۴) (کیا کشف والہام حجت ہو سکتا ہے)

ج (۵۵) کشف والہام بجز ان لوگوں کے جنکو یہ حاصل ہوا اور بجز ان کے خاصہ کے  
اور کسی کے لئے حجت و دلیل نہیں ہو سکتا اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ تجلیات مخصوص ہیں

جراہی اہل کشف کے مخصوصہ اذواق کے مناسب ہوتے ہیں۔ یہاں سے دوسرے عالم کا ارشاد ہے۔

وَلِكُلِّ وَجْهٍ مِّنْهَا  
اس لحاظ سے دوسرے عالم کا کشف و الہام  
اندلال کرنا گویا انکی تعظیم کرنا ہے جو غلطی ہے۔

س (۵) (کیا علم ظاہری کا یکمنا صوفی ہونے کیلئے ضروری ہے)

ج (۵) صوفیہ سے مراد عموماً ساکین ہیں اور سالک کے لئے علم ظاہری کا یکمنا ضروری ہے کیونکہ علم طریقت کی تکمیل علم ظاہری کی تکمیل پر مشتمل ہے۔ یہ سطور محققین کا یہ منقولہ مشہور ہے۔

الصُّوفِي الْجَاهِلُ يَخْرُجُ إِلَى الشَّيْطَانِ  
یعنی جاہل صوفی شیطان کا مستوہ ہے اور اس بارے میں حدیث یہ ہے۔

فقیہ واحد اشعل علی الشیطان من الف  
یعنی ایک صوفی عالم کا وجود شیطان پر ہزار عابد عابدی بڑا بھاری ہے

منقولہ اور حدیث مسطورہ بالا سے ثابت ہے کہ بغیر علم شریعت کے کوئی عابد شیطان  
دہو کون سبھی نہیں سکتا۔ بخلاف ایک فقیہ کے جو علم شریعت کی کامل سمجھ رکھتا ہو اور کو

شیطان دھوکا نہیں دے سکتا شیطان کے اغوا کو دوسرے علم تربیت کی قوت ہٹا دیتا ہے  
اور اسکا دفعہ کرنا ہے۔ کہ قولہ تعالیٰ

اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا یعنی جب انکو شیطان نے اغوا کیا اس سے ہوتا ہے  
فاذہم شمرہن تو وہ تار پٹتے ہیں اور ہوشیار ہو جاتے ہیں

عرض کہ علم غاہر کا یکھنا صوفی پر لازم ہے جبکہ بغیر صوفی شیطان کی خطرات سے بچ نہیں سکتا  
البتہ اس کلیہ سے مجاذیب مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ خاص جذبات الہی کی وجہ سے بیکار  
وسلوک کی محنت اٹھائے ایک دم منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں گراخی اس خاں  
حالت پر دوسرے کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق وغیر جائز ہے۔

س (۵۶) کیا صوفیہ شیطان سے دھوکوں کو محفوظ ہو جاتے ہیں بصورت ثانی پھر پھر کا کیا لفظ  
ج. (۵۶) یہ ایک مسلم عقیدہ الٰہی کا ہے کہ کوئی شخص بجز انبیاء علیہم السلام کے  
معصوم نہیں یعنی اغوائے شیطانی سے بالکل محفوظ نہیں ہو سکتا ہے

نفس ازور باستانیں کے مردہ از غم بے آلتی افسردہ است  
یعنی نفس انسان، ایک ازور کی مثال ہے جسکی عمر بڑی ہوتی ہے اور وہ جلد مرتا نہیں





ایسی حالت میں کوئی نفس شیطان کے شر سے نہیں بچ سکتا اگر اس سے کوئی بچنے کی صورت ہے تو شریعت اور پروردگار تعالیٰ آغفر لہم اللہ علیہ وسلم کا ہے اور یہ ال علم ہی کا کام ہے ورنہ صوفی جاہل سحر و شیطان مشہور ہے اور حدیث فقیر حقاً استد علی الشیطان من الف یا ایہ یحییٰ یا مطلب ہے۔  
تبیین فقیر کہتے ہیں احکام و علم شریعت میں سمجھ بوجہ رکھنے والے کو یہ نفس نہ مصلح کے پڑنے والی کو۔

س (۱۷) سماع کی حقیقت کیا ہے کیا وہ صوفی کیلئے ضرور ہے؟  
ج (۱۷) خوش آوازی کیساتھ کوئی موزوں کلام سننے یا نام سماع ہے اور خوش موزونیت کلام کی پسندیدگی کا مادہ انسان میں موجود ہے۔ اسوجہ سے انسان کے سماع سے رغبت ہوتی ہے۔ خوش آواز روح کو ابھارتی اور نشاط میں لاتی ہے جس سے اچھے یا برے خیالات جو دلیں جاگزین ہوتے ہیں وہ اس میں آتے ہیں۔  
براہین ہو جاتے ہیں اور یہی سماع کی حقیقت ہے۔ یہ سماع کا جواز و عدم جو ان میں اختلاف ہے۔ جہاں حضور اکرم علیہ السلام سے عام لوگوں کیلئے اسکا نسخہ ہے

وہاں خود حضورؐ سے اسکا سنا ثابت ہے، تو اس سے یہ نتیجہ اٹھتا ہے کہ چونکہ عام بلایع نیکہ  
ہند بائیں سے آئیں گے ہوتے ہیں اور جس سے نام محمد پر سنی کا سنا جائز قرار نہیں دیا گیا۔  
البتہ اپنے لوگوں کے خواریں سماع کاہ امتیاز ہوتا ہے جنکے قلوب صافی نیکانہ  
میں جو تہذیب و تمدن کے خیر سماع اسنے نیک جذبات کے ابھرنے کا  
باعث ہوتا ہے۔

چنانچہ بزرگانِ حشمتِ عظیمہ الرحمہ نے جنکے قلوب صافیہ اکثر محبت و عشق خدا کے  
جذبات سے پر گئے۔ فقط اسکو جائز رکھا بلکہ اکثر اسکا مشغلہ رکھتے رہے مگر عام طور پر مولانا  
نہیں بلکہ اپنے مریدین کی خاص مجالس میں۔

غرض کہ عام انہی قلوب صافیہ کو فائدہ بخشا ہے جو بڑے جذبات سے پاک و صاف  
ہوں گے جن میں اسکے مناسب و مفید فوائد و منافع سے زیادہ ہیں۔ براہِ ہنرم  
تھیں نہ یہ مان لیا ہے کہ سماع باعث ازاد و ملاح و ذریعہ وصول الی اللہ تعالیٰ ہے  
بلکہ بعض عشق و محبت خدا کے جذبات کو اُبھارنے کا کام دیتا ہے اور جنہوں نے اسکو  
انتیاریا بعض نیک جذبات کو متحرک کرنے کی غرض سے اختیار کیا نہ یہ کہ اسے عباد

و باعث از یاد راجح سمجھا جو جیسا کہ آجکل سمجھا جاتا ہے

غرض کہ سلع صوفی سالک کیلئے نہ تو ضروری و سید و فیروزہ و سید و فیروزہ و سید و فیروزہ کہ بہتر سمجھا  
عبادت اسکی عادت کی جائے اور اعتقاد چنانچہ کی شواہد و ثبوت و تکلیف کو ادا کرے۔  
اور ایسے صوفی حافی کے حق میں ناہائز اخراجہ ہے و کچھ و کچھ و کچھ و کچھ و کچھ و کچھ  
بہری ہوئی ہو اور اسکے لئے تہذیب و تمدن و تہذیب و تمدن و تہذیب و تمدن

س (دہ) نفس کے کئے اقسام ہیں ۷

ج (دہ) نفس کے تین اقسام ہیں جنکا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

نفس امّارہ یعنی وہ نفس جو خواہشات نفسانی کا علم کرے نفس عظیم کا ہے۔

نفس لوامّہ یعنی وہ نفس جو مہذب ہو کر بُری باتوں پر نہ سرزد ہو جائے۔

کرے نفس متین کا ہے۔

نفس مطمئنہ یعنی وہ نفس جو اپنے رب کے ساتھ اطمینان و سکون ہو جائے اور

شک و شبہ سے باقی نہیں رہتا اور یہی نفسِ راضیہ و مرضیہ ہے اور اسی کو نفسِ مطمئنہ

کہتے ہیں جسے حق تعالیٰ علیہ السلام ہوا کرتا ہے۔

س (۵۹) انسان کو اس نشأتِ بنیامیں پیدا کرنے سے خدا کا کیا مقصود ہے؟

ج (۵۹) خداوندِ عالم کو انسان کے پیدا کرنے سے محض اپنی معرفت یا خلافت کا حصول مقصود تھا اگرچہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے مگر حیثیت و اعتبار کے لحاظ سے یہ دونوں

چیزیں جدا جدا ہیں یعنی معرفت سے خداوندِ عالم کا مقصود یہ تھا کہ اپنی ذات کو جو جامعِ جمیع صفات کمال اور بطورِ خزانہ مخفی کے تھی اسکو ظاہر کرے یا یوں سمجھئے کہ یہ صفات کمال جو اسماءِ اللہ سے مراد ہیں انکا اقتضاء یہ ہوا کہ وہ ظاہر ہوں و نشانِ جاہلیت ظاہر ہو۔

چنانچہ اسی غرض کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا جسکا کمال یہی شانِ جاہلیت ہے۔ اسی مثال ایسی ہی ہے کہ جب آپ اپنی خوبیوں و محاسنِ بآل کو دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو آئینہ کی ضرورت ہوتی ہے جس میں محاسن و خوبیوں کا پورا عکس اتر آتا ہے اور آپ اپنی صورت کو دیکھ کر اپنے آپ کا تعمیلی اندازہ کر سکتے ہیں یہی مثال انسان کی ہے کہ وہ تمام اسماءِ الہیہ کا مظہر اتم ہے کیونکہ تمام عالم کی کائنات ان اسماءِ مختلفہ الہیہ کے مختلف مظاہر ہیں اور یہ تمام عالم کا خلاصہ اور مختصر ڈھانچہ ہے۔ لہذا تمام عالم کی مختلف تفصیل اس مختصر ڈھانچہ میں مجملًا مل جاتی ہیں اور اس طرح انسان کا اپنے آپ کو پہچاننا کو یا خدا کو

پہچانتا ہے اور یہی غرض ہے جس کیلئے انسان پیدا کیا گیا ہے اور دوسری حیثیت۔

**خلافت** ہے یعنی خدائے تعالیٰ کی قائم مقامی اور اسکی نیابت۔

چونکہ اس عالم دنیا یعنی عالم ملک و شہادت کی نشأت کا مقصدی ستروا خفا ہے۔

یعنی خدائی کا ظہور ان ہی ممکنات عالم کے پس پردہ یہاں ہو رہا ہے یعنی

اس عالم کی ہر ایک شے اس خدائی کے مختلف جہات میں سے کچھ کچھ جہتوں کی منظر ہے

لہذا مقتضائے نیت ہوا کہ ایک ایسا نمونہ بنا دیا جائے جو ان تمام علحدہ علحدہ مختلف جہات کو اپنے اندر جمع کرے جیسے کہ اس عالم میں ذات خداوندی مختلف اسما کی جامع ہے۔

وہوالذی فی السماء اللہ و فی الارض اللہ یعنی وہی ذات پاک ہے جو اس عالم بالا میں

بھی شان الہیت رکھتی ہے اور اس عالم اسفل میں بھی شان الہیت رکھتی ہے جیسا کہ

دونوں عالم میں وہ الہ ہے ایسا ہی ضرور تھا کہ کوئی اس شان الہیت کی نیابت کرے

چنانچہ اس غرض کے پور کرنے کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا اور سب پر حکومت اسکو

دی گئی اور سارے قوانین و مفالی اسکے مسخر بنائے گئے چنانچہ یہ تیغ مختلف حیثیتوں

سے اپنا جلوہ کرتی رہی اور کر رہی ہے یعنی معنوی و روحانی لحاظ سے دیکھو تو جو

انسان کامل ہوتے ہیں انکا ہر ایک فعل شانِ ربی اپنے اندر رکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث  
 حتیٰ اكون بمعہ دمعہ الخ اسکی بین و صریح دلیل ہے دیکھئے حضرت داؤد علیہ السلام  
 کیلئے جبال وغیرہ کا مسخر ہونا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا وغیرہ ساری شایا کا  
 مسخر ہونا اور تمام نبیوں کے معجزات اور ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے معجزہ شق القمر وغیرہ اور پھر  
 اولیاء اللہ کے کرامات کے سبب اسکی تفسیر خلافت الہیہ کو ظاہر کر رہے ہیں۔ پھر اگر آپ ظاہری  
 لحاظ سے دیکھئے تو بھی آپکو اس خلافت کا اثر عیاں طور پر معلوم ہو گا کہ کس طرح  
 ان کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ میں خدائے تعالیٰ نے دست دی  
 ہے اور کس قدر اس کی ان دونوں قوتوں کو عروج اور ترقی عطا فرمائی اور تمام قوائے  
 عالم کو اسکی ان دونوں قوتوں کے تحت مسخر کر دیا۔

قوله تعالى وسخر لكم ما في السموات والارض والاية۔  
 مسخر کیا تمہارے لئے ان قوتوں کو

جو عالم بالا میں ہیں اور جو عالم اسفل میں ہیں یہ مادی ترقی کا حال ہے  
 جبکہ ترقی روحانی اور قوت ایمانی سے کوئی نسبت نہیں اور جس کا تعلق محض

انتیاز انسانیت اور عروج انسانیت کے ابتدائی زمانہ سے ہے بانیہ ہمیں  
 بھی بلکہ ہر شے میں عارفین کے لئے اشارات و دلائل موجود ہیں۔ کمال انجفی  
 علیٰ من لہ ادنیٰ تأمل۔

س (۶۰) دین اسلام کا اصلی مدعا کیا ہے اور وہ انسان کو کیا بنانا چاہتا  
 ج (۶۰) نصوص قرآن و احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ  
 دین اسلام کا اصلی منشأ تہذیب ظاہری و باطنی کا نوع انسان  
 میں پھیلانا ہے۔ اور وہ انسان کو ظاہری و جسمانی لحاظ سے ایک  
 اعلیٰ درجہ کا مستبدن اور مہذب اور باطنی اور روحانی لحاظ سے  
 عارف کامل اور متخلق باخلاق اللہ یا خلیفہ رحمانی بنادیتی ہے  
 اور ان کے حصول کیلئے اُس نے دو نواں قسم کی تعلیمات و ہدایات جاری کی  
 ہیں اور نہ صرف اس دین پاک میں تعلیمات و ہدایات ہی  
 پائی جاتی ہیں بلکہ اسلامیوں کے لئے وہ احکام شریعت کا  
 کامل ترین مجموعہ ہے اور خداوند عالم نے بنی نوع

انسان کی ہدایت اور انکو گمراہی سے بچانے کیلئے ایسے نبی کو مبعوث فرمایا جنہو  
خود اپنی ذات سے دنیا کے سامنے بہترین علی نمونہ بن گئے اور انہوں نے باتوں کے  
بول کے لئے پیش فرمائے اور دنیا کو دکھایا کہ بشریت کے اعتدال کا منہا  
فان کی ترقی سے انسان کیونکر اعلیٰ درجہ کا انسان بن سکتا ہے اور  
تہذیب و روحانی کمال دونوں کس طرح ایک جا بہترین طریقہ پر جمع ہو سکتے  
ہیں اور اس جامعیت کا فخر اگر حاصل ہے تو دین اسلام ہی کو حاصل ہے۔

۱۱) کیا دین اسلام بانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں یا وہ قدیم دین  
ع انسان کا ہے بصورت ثانی آپ کی بعثت سے پھر کیا مقصود ہے۔

۱۲) دین اسلام اس معنی کرتے کہ وہ توحید اور اخلاق حمیدہ سکھاتا ہے

۱۳) فطرت انسانی کے متاسب رہنا لگتا ہے ایک قدیم دین ہے اور تمام  
پیامبرین کا واحد دین ہے جس کا واحد المقصد اعلیٰ کلمۃ اللہ اور توحید ہے۔

۱۴) پیغمبر خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ .....  
یہی ہے جو آپ کی اپنی پیغمبروں کے ہدایت کی



پہرہ کی پہچان گہشت الہی و فطرت اللہ چھوڑ کر ارتقا کی مقتضی ہے اس لحاظ سے  
 ہر چیز ایک ابتدائی درجہ سے ترقی کرتے کرتے معراج کمال کی پہنچتی ہے  
 یہی حال اس دین کا بھی ہے کہ تمام انبیاء کے دین وحیقت اسی دین اسلام  
 کے ابتدائی درجات تھے جو رفتہ رفتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ  
 پہنچے انتہائی کمال تک پہنچ گئے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اليوم اكملت لکم دینکم و اقمتم  
 علیکم نعمتی الالبیہ  
 الفرض دین اسلام ایک قہیم دین ہے  
 اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت  
 اسی دین اسلام کی تکمیل کے لئے ہوئی ۔

چنانچہ انبیاء سابقین علیہم السلام بھی اسی کی پیشین گوئی کرتے رہے ہیں  
 خصوصاً حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جو سب سے پیش پیش ہیں اور انکی  
 بعثت کا مقصود اہل اسی دین و بعثت محمدی کی خوشخبری سنانا تھا اور یہ  
 س (۱۲) وصول الی اللہ کا ایک طریقہ ہے ۴

ج (۲۵) کہہ تحصیل طاعت ہے ، ہذا فی الطریق الی اللہ بعد الاکلاش

وصول الی اللہ کے اتنے ہی طرق ہیں جتنے نفوس سالکین ہیں کیونکہ ہر سالک کا سیر  
سلوک ایک خاص طریقہ پر ہوتا ہے جو اسکے اور اسکے رب کے درمیان  
خاص رابطہ و تعلق کے مقتضائے لحاظ سے ہوتا ہے اور اسی ذریعہ سے وہ  
مثل معبود تک پہنچتا ہے۔ مگر اجالی و کلی طور پر وصول الی اللہ کا محض ایسی  
طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ظاہر و باطن اور جسمانی و روحانی طور پر ہر طرح سے حضور اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اقتدا کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔  
وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مِنْهُمْ  
وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مِنْهُمْ  
وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مِنْهُمْ  
تو یقیناً اُس سے وہ قبول و منظور نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں زیانکار بنے  
ہوگا۔

جب کہ اسلام محض اسی طریقہ و طرز عمل کا نام ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
اور آپ کے خلفاء و تابعین تھے اور دین اسلام محض تقریباً ہی اللہ کا ہی طریقہ  
تو ایت بالاکہ شہوم یہی ہو گا کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی

پیروی چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب تقرب الی اللہ کا دھونڈھے تو وہ یقیناً ناکام  
مگر اسے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے  
لَنْ يَوْمَنَ أَحَدٌ كَرِهَتْهُ يَكُونُ هَوًّا تَبَعًا یعنی کوئی شخص ایمان والا نہ ہوگا جب تک کہ  
ملاحضت پر ..... اسکی خواہش تابع میرے لئے ہوئے نہ کی

نہو اور ذیل سے شعر سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ شعر  
خلاف میرے گزیدہ گزیدہ  
کہ ہرگز نہ نزل نخواہد رسید

س (۶۲) اسما الہی جو ائمہ سے کہلاتے ہیں کون سے ہیں؟  
ج (۶۲) سات ہیں۔ الْحَمْدُ - الْعَالَمُ - الْمُسَيِّدُ - الْقَادِرُ  
الْجَوَادُ - الْمَقْسِطُ - الْمُعْطِیْ۔

س (۶۲) قرآن پاک میں جو ارشاد ہے۔ وَخُنَّ اقْرَبَ الْبَرِّ مِنْ جَبَلِ الْعِزِّ  
وَإِنَّ الْبَرَّ بِشَيْءٍ مُّشْتَبِطٍ۔ یہ قرب و محبت و اعلیٰ ہر شئی کیساتھ ذاتی کر  
ما علی؟

ج (۶۲) علماء ظاہر کے پاس یہ قرب و محبت ظاہری ہے یعنی خدا کا علم ظاہری ہے

قریب و ہر شے کو محیط ہے اور صوفیہ کرام کے پاس ذاتی ہے یعنی خدا اپنی ذات کے  
ہر شے کے قریب اور ہر شے کو محیط ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تمام کائنات کے موجود ہونے کے یہی معنی ہیں  
کہ انکی اعیان ثابتہ کے آثار و استعدادات وجود کی چادر میں جو سارے عالم میں  
پھیلی ہوئی ہے ظاہر ہو رہی ہیں اور وہ وجود باری تعالیٰ کا ہے اور جب اس  
وجود کے اندر سارے اشیاء کا ظہور ہو رہا ہے تو وہ وجود کسی شے سے علیحدہ نہیں  
بلکہ ہر شے پر محیط ہے اس لحاظ سے وہ یقیناً رگ گردن سے بھی زیادہ قریب  
جیسے نور آفتاب جسکی چادر میں ساری اشیاء کا ظہور ہو رہا ہے اور نور کی چادر میں  
اشیاء کو محیط ہے اور کسی شے سے علیحدہ نہیں ہے مگر باوجود اس کے عین  
اشیاء نہیں ہے اسی طرح وجود کی کیفیت ہے کہ لب کو محیط ہے اور اقرب ہے مگر  
عین شے نہیں ہے۔

اس (۱۱۳) وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں کیا فرق ہے اور ان دونوں کا  
حاصل کیا ہے اور ہر ایک کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ان دونوں کا تعلق

علم سے ہے یا عمل سے ؟

ج (۶۵) صوفیائے کرام جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں وہ اس وجود خارجی کو جو عالم کا ہے عین وجود حق جانتے ہیں اور اسکو شش ایک چادر کے تصور کرتے ہیں جو تمام فضا نے عالم میں پھیلی ہوئی ہے اور اعیان ثابتہ و ممکنات عالم کے آثار و استعدادات کا ظہور اسی چادر سے وابستہ تبتلا تے ہیں اور ہر شے کو جو محسوس و مشاہد ہو رہی ہے اسکو عین ثابتہ کے آثار اور استعدادات قرار دیتے ہیں اسکو عین ثابتہ قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ عدم ہے اس لحاظ سے وجود کی مثال ممکنات عالم کیساتھ ایسی ہے جیسا کہ ایک نور کی چادر ہے جو سبکو محیط ہے اور اشیاء کے امتیازات اس چادر نور میں ظاہر ہو رہی ہیں اور نور سب اشیاء کا باطن ہے یعنی جب اشیاء ظاہر ہوتی ہیں تو نور مخفی ہو جاتا ہے ایسا ہی وجود ممکنات فی الخلق کے وقت وجود باطن ہوتا ہے اور اعیان ثابتہ کے آثار و استعدادات ظاہر ہوتے ہیں۔ الحاصل اشیاء روشنی سے علیحدہ نہیں ہیں بلکہ وہ سبکو محیط ہے مگر باوجود اسکے کوئی شخص ان اشیاء کو

عین روشنی نہیں سمجھ سکتا ایسا ہی وجود سے کوئی شے عالم کی علیحدہ نہیں ہے  
 جیسے وجود سب کو محیط ہے مگر باوجود اس کے مکانات عین وجود نہیں ہیں جیسا کہ  
 خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے ۔

اللہ نور السموات والارض۔ الآیۃ واضح ہو کہ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے  
 وہ حضرات وجودیہ علیہم الرحمہ کا مسلک ہے۔

اب رہا حضرات شہودیہ کا مشرب وہ یہ ہے کہ عالم کا وجود خارجی ان کے  
 نزدیک عین وجود باری تعالیٰ نہیں ہے بلکہ یہ اس کا عکس ہے جیسے آئینہ میں  
 کسی شخص کا عکس دکھائی دیتا ہے اور دیکھنے میں دونوں ایک ہی نظر آتے  
 ہیں مگر درحقیقت عکس عین شخص نہیں ہے بلکہ درحقیقت شخص ہی موجود حقیقی ہے  
 اور یہ عکس ایک وہم و خیال مگر چونکہ عکس اسی کا ہے نہ غیر کا لہذا اس صورت میں  
 ہم از دست کہنا صحیح ہو گا نہ ہم از دست بخلاف حضرات وجودیہ کے کہ ان کے  
 نزدیک ہم از دست کہنا اس لحاظ سے صحیح ہے کہ وجود عالم وجود باری تعالیٰ کا  
 ہی ہے جو اعیان ثابتہ پر شل چادر نور کے فائض ہے۔ اور انہی اعیان ثابتہ کے

استعدادات و آثار کے لحاظ سے یہ ساری کثرت و امتیازات ہیں جو تعالیٰ ذات  
 علی الذات کا نتیجہ ہیں کیونکہ یہ ساری شیونات کثرت محض اسماء الہیہ کے  
 مرتبہ ہر میں اور اسوہ محلی ذات علی الذات کا نتیجہ۔ اگرچہ وحدۃ الشہود و وحدۃ الوجود  
 دونوں کا باریک بینی نگاہ میں نتیجہ ایک ہی برآمد ہوتا ہے کہ عالم عین حق نہیں  
 بلکہ حق عین عالم ہے۔ مگر اعتباراً دونوں میں فرق ہے۔

الغرض ان دونوں مسئلوں کا تعلق علم سے ہے نہ عمل سے کیونکہ یہ  
 دونوں صورتیں اپنے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق ہیں اور یہ علم میں داخل  
 ہیں نہ عمل سے متعلق ہیں۔

عبادنا متاشفق وحنانك واحداً وكل الى ذاك الجمال المنير

ذات قدری ایک ہے پرہیزگار نہیں مختلف حسن تیرا ایک ہی پرہیزگار نہیں مختلف

س (۶۶) صوفیہ کرام کے پاس کلمہ لا الہ الا اللہ کا کیا مطلب ہے۔

ج (۶۶) صوفیہ کرام کے پاس یہ حقیقت مسلم ہے کہ دراصل سوائے خدا کے کوئی  
 موجود نہیں ہے لیکن کائنات کی اصل جو ایمان مناسبتہ میں عدم ہے فقط خدا کی

ذات ایک موجود برحق ہے۔ چنانچہ صوفیائے کرام لا الہ الا اللہ کے معنی لا معبود الا اللہ کہتے ہیں اسی واسطے اسکے جواب میں انہوں نے کہا کہ اجعل الالهة  
 الحاداً اپنے سے کیا بنا دیا (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) سب یہود و نوحا ایک معبود  
 اس سے معلوم ہوا کہ جتنے الہا مانے جاتے ہیں انہیں سے کوئی بھی غیر خدا نہیں  
 یعنی جتنے مختلف معبودوں کی عبادت انہیں غیر خدا تصور کر کے کیا جا رہی ہے  
 یہ دراصل خدا ہی کی عبادت ہو رہی ہے

وقضی ربہ اکلاً لعلہ و الا ایاک یعنی انکو پھر مشرک جو قرار دیا جاتا ہے  
 یہ انکارِ عدم و خیالِ ادعا کا باعث ہے کہ وہ غیر خدا تصور کر کے عبادت کر رہے  
 ہیں ورنہ حقیقت میں عبادت جہاں ہو رہی ہے وہ خدا کی ہی ہو رہی ہے  
 کیونکہ اسکے سوا کوئی موجود ہی نہیں اور معبود تو وہی ہو گا جو موجود بھی ہو  
 نہ معدوم۔

جب اس طرح سے قرار پائے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ سارے معبود  
 مجازی کیوں حقیقت میں غیر خدا نہیں ہیں جیسے مشرکین انہیں تصور کرتے ہیں۔





موجود ہی سرے سے نہیں تو پھر معبود کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ معبود ہونا تو دوسرا  
 درجہ ہے پہلے موجود ہونا ہی تو اسکا مسلم ہو ورنہ معبود کو کوئی معبود کیسے قرار  
 دیکتا ہے۔ لہذا اس لحاظ کرتے لازم ہوا کہ معبود پہلے موجود قرار دیا جائے  
 حالانکہ صوفیہ کے پاس کوئی موجود سوائے خدا کے نہیں۔ بنا بریں صوفیہ کے  
 پاس لازم ہوا کہ لا الہ الا اللہ کے معنے کا موجود اولا اللہ کے ہی نام پر ہے  
 کیونکہ انہی نقطہ خیال سے اس معنی دوسرے ہو ہی نہیں سکتے <sup>اعلیٰ</sup> واللہ  
 وعلما انہم واحکم۔

س (۶۷) وحدۃ الوجود اور وحدۃ الوجود میں کیا فرق ہے اور ان میں سے  
 کون صحیح ہے؟

ج (۶۷) وحدۃ الوجود ہی صحیح مسلک ہے اور وحدۃ الوجود غلط بلکہ موجب <sup>اخطا</sup>  
 فتنہ کیونکہ وحدۃ الوجود کا مطلب جیسا کہ پہلے بیان ہوا یہ ہے کہ وجود سدا  
 کائنات کا دراصل ایک ہی وجود مطلق ہے جو بمنزلہ ایک نور کی چادر کے نظما  
 لائتا ہی میں پھیلا ہوا ہے اور جس میں تمامی کائنات کے ایمان ثابہ یعنی

انکے آثار و استعدادات ظاہر ہو رہے ہیں اور اسی ظہور آثار سے وہ مقید ہو کر وجود مقید کہلاتا ہے اگرچہ اپنی اصالت کے لحاظ سے وہ مطلق ہے بخلاف وحدۃ الوجود کے کہ جسکے معنی بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتے ہیں کہ جتنے موجودات ہیں وہ سب ایک ہیں حالانکہ موجودات خارجی کے موجود ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وجود کے فیضان سے انہی اعیان ثابتہ اپنے آثار و استعدادات ظاہر کر رہے ہیں اور یہ ایک بین بات ہے کہ موجودات عالم بوجہ اپنی اعیان ثابتہ کے مختلف الآثار ہونے کے بالکل ایک دوسرے سے مختلف و ممتاز ہیں پھر انکو ایک کہنا اور ایک سمجھنا ایک علانیہ غلطی ہے۔

س (۶۸) مسئلہ تجرید اشغال کی کیا حقیقت ہے؟

ج (۶۸) جواب نمبر ۶۶ میں بتلادیا گیا ہے کہ وجود کی مثال نور کی سی ہے جس طرح سے نور تمام عالم کے اشیاء پر فائض ہے اسی طرح وجود بھی سب پر محیط ہے یہ بات اس مثال سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ بجلی کی روشنی کے گلوب جس طرح مسلسل روشن دکھائی دیتے ہیں اور ان میں جو روشنی کیاں

قائم ہے اور اس روشنی سے سب اشیاء اپنی چمک و دمک و امتیازات و ہیئت  
 دکھائی دیتے ہیں۔ یہ روشنی ہمیشہ قائم ہے، مگر آن بجلی کے خزانے سے نئی آتی  
 جاتی ہے۔ ذرہ فور کرنے سے اسکی حقیقت آبائی سے معلوم ہو سکتی ہے کہ  
 اس کے عدم ظہور کا مدار اس کے مٹنے پر ہے۔ مگر اگر ہم ایک منٹ میں چپاں  
 پارو یا ایک توروشنی چپاں یا معدوم ہو کر کچھ بدیں تو روشنی ظاہر ہو جائیگی اس سے  
 معلوم ہوگا کہ یہ گلوب مستحق روشنی ہے بلکہ ہر آن اسکو بجلی کے خزانے سے متواتر  
 مسلسل لکھاں امداد ملتی ہے۔ جبکی وہ سے یہ روشن رہے اگر ایک لمحہ پکٹے بھی  
 یہ امداد بند ہو جاوے تو روشنی گل ہو جاوے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ گلوبوں کی  
 روشنی کا دار و مدار امداد برق پر ہے اور ہر آن کی نئی امداد جو گلوبوں کو پہنچتی ہے  
 سب سے مختلف ہے۔ روشنی قائم و دائم معلوم ہو رہی ہے ورنہ وہ دراصل  
 ہر بار روشنی اور ہر بار خاموش ہو جاتے ہیں یہی مثال تہجد و امثال کی بھی  
 ہے کہ ایک ہی صورت ہر آن نئی ہوتی جاتی ہے اگرچہ ظاہر اسکا تہجد یعنی  
 نیا ہونا محسوس نہیں ہوتا مگر فرق اتنا ہے کہ برقی روشنی مٹنے کے بند ہونے سے

معدوم اور کسکو لینے سے ظاہر ہو جاتی ہے اور تجد و امثال کی کیفیت یہ ہے کہ  
 کہ ایک ہی صورت صمد با زبانی ہوتی اور بدلتی جاتی ہے مگر اس میں فصل محسوس  
 نہیں ہو سکتا۔ الغرض عالم کی ہر شے کا بظاہر ایک ہی صورت پر محسوس ہونا اور  
 صمد با صورت لگنا ایک ہی وضع پر بدلنا اور نئی ہونا یقینی ہے پہلے ہی بتلادیا گیا  
 دجہ کی مثال ایک چادر نور کے مشابہ ہے جس میں تمام ممکنات عالم کی صورتیں  
 سمجھنا ان کے ایمان ثابتہ کے استوار و استعداوت ظاہر ہو رہے ہیں اور  
 چونکہ یہ وجود منجانب اللہ مثل قوت برقی کے ہر ایک شے کو ہر آن نیا نکلتا  
 رہتا ہے اور اس تسلسلے تو اتار کی وجہ یکساں ہر ایک شے دائم قائم معلوم ہوتی ہے  
 مگر انکی ایک ہی وضع کی سنکڑوں صورتوں کا نئی ہونا اور بدلنا محسوس نہیں ہو سکتا  
 بلکہ بظاہر وہ ایک ہی صورت دو وضع پر دو امانا قائم معلوم ہو رہے ہیں ورنہ ہر ایک  
 شے کو اگر علیحدہ علیحدہ مانا جائے تو اسکا قسطل آسمان تک چلا جا دیتا۔

س (۶۶) ایمان ثابتہ کی کیا حقیقت ہے اور وحدۃ الوجود پر انکا کیا  
 اثر پڑتا ہے ؟

ج ۱۶۹، یہاں ثابتہ دراصل ہم عالم کے موجودات کے ان متعلق واپسیت کا  
 نام ہے جو علم باری تعالیٰ میں ازل سے ثابت ہیں اگرچہ یہ عدم ہیں اور عدم ہی سے  
 مگر عدم محض نہیں بلکہ عدم ثابت ہیں کیونکہ علم باری تعالیٰ میں ثابت ہیں نہ ہونے  
 وجوہ درجہ بندی ملتا ہے اور نہ لیگا مگر شہوت کو تہ نہ دراصل ہے انکی مثال  
 ایسی ہے کہ جیسے کوئی ایک قطعہ زمین کا مالک ہے اور اس قطعہ پر وہ مکان  
 بنا چاہتا ہے تو وہ اپنے اس کے اکھ بناوے ایک نقش مکان کا اپنے دل میں  
 سوچ لیتا ہے اور اپنے ذہن میں ایک ایک حصہ زمین کو دالان پوش والان مجرہ  
 و نعمت خانہ اور حمام وغیرہ وغیرہ تصور کر لیتا ہے اور کسی حصہ کو اور ضروریات کیلئے  
 مختص کر دیتا ہے۔ حالانکہ بظاہر وجود خارجی کسی کا نہیں ہوا بلکہ زمین بالکل خالی  
 پڑی ہوئی ہے اور ذہنی منصوبات کی بنا پر اگر کوئی اور شخص اسکی مقرر کردہ  
 والان کے مطابق اپنے علاقہ کی زمین پر پاشخانہ بنا چاہے تو وہ اسکو روک دیتا ہے  
 اور ماحم ہوتا ہے کہ اسے متصل میرے مکان کا دالان واقع ہے اسے متصل  
 پاشخانہ تعمیر کرنے سے مجھے بہت تکلیف ہوگی حالانکہ ابھی والان کا وجود ہی نہیں ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ اگرچہ صورت والا ان کی محض اس کے خیال میں ہے

مگر چونکہ اس کے ذہن میں ایک شے قائم ہو چکی ہے اسوجہ سے اس کو نفس عام

نہیں کہہ سکتے اسی نظیر پر اعیان ثابتہ کو بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ

اعیان ثابتہ میں جو ثابتہ عالم کی حقیقتیں اور باتیں ہیں

وہ خداوند عالم کے علم میں ازلی سے ثابت ہیں اورچہ خود بخود۔

مگر ان کو عدم محض بھی نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ ہر چیز جیسے کہ وہ اول سے آخر تک

ہونے والی تھی اور ان سب حالات و خصوصیات کیساتھ حضرت علیہ السلام

ثابت تھی ویسے ہی وہ وجود میں بھی ثابت ہوئی یعنی اُن کے بشا و پیدائش

ظاہر ہوئیں پس اسی حقیقت کو ہر چیز کی عین ثابتہ کہتے ہیں جیسے مکان کی

شکل اس کے بنانے والے کے ذہن میں ہوتی ہے۔ اور ابھی وہ وجود خارجی میں

نہیں آتی۔ کیونکہ تعمیر کے بعد وجود خارجی میں جو چیز شس و شاہد ہوتی ہے

وہ اینٹ پتھر لکڑی چونا ہے نہ کہ وہ ذرا بڑا شکل جو اب بھی اس کے ذہن میں

قائم ہے جیسے ہائے مانے کے قبل تھی کیونکہ اس میں محسوس ہوئی قابلیت نہیں

پس اس طرح اعیان ثابتہ ہمیشہ معدوم ہی رہیں گی کبھی وہ وجود فی الخلق نہیں ہو سکتیں اور  
وجود فی الخلق ہمیں مشاہد محسوس ہو رہا ہے یہ آثار و استعدادات اعیان ثابتہ  
ہیں جو وجود میں ظاہر ہو رہے ہیں اب رہی یہ بات کہ مسئلہ وحدت الوجود پر اعیان  
ثابتہ کا کیا اثر پڑتا ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ جب اعیان ثابتہ کے آثار و  
استعدادات وجود کی چادر غیض میں ظہور کر رہے ہیں اور وجود مطلق بہ سبب  
اپنے اس فیضان و انبساط کے جو کائنات عالم پر فائض ہے ان کی ساتھ قریب  
و مقید ہو رہا ہے اور جگہ کی وجہ سے یہ اشیاء موجود کہلاتے ہیں تو اب یہ موجود  
مقیدہ بہ سبب اپنی اختلاف اعیان کے موجود مطلق (جو واحد ہے) نہیں ہو سکتیں  
بلکہ وجود مطلق من حیث هو الگ ہے اور انکا وجود جو انکی اعیان کے آثار کے  
ظہور فی الوجود سے مراد ہے اور مقید کہلاتا ہے الگ ہے اگرچہ یہ وجود کوئی جدا  
وجود نہیں اسی وجود مطلق ہی کا فیضان ہے اور بطریق لوح سادہ پر نقوش مختلفہ قائم  
ہوتے ہیں جس سے لوح منقوشہ کو لوح سادہ نہیں کہہ سکتے اس طرح موجودات مقیدہ  
موجود مطلق نہیں کہہ سکتے۔ پس وجود ایک ہی ہوا مگر نقوش کائنات جو آثار و کائنات



ہیں یہ باعث کثرت و اختلاف و تمایز ہیں تو اس صحت میں جو لوگ ہمدست  
 کہتے ہیں وہ اسہی وجود کے لحاظ سے کہتے ہیں جو درحقیقت واحد ہے نہ کثیر اور اس  
 لحاظ سے وحدۃ الوجود بھی صحیح ہے اور اعیان کے لحاظ سے یہ ساری کثرت بھی صحیح  
 ہوئی یہی کثرت فی الوجود ہے اور وحدت فی اکثریت جسکا بخوبی سمجھنا مذہب کی  
 نظری سے ممکن ہے ورنہ باعث لغزش و الحاد۔

فرض کہ وجود کو ایک ہی سمجھنا اور وحدۃ الوجود کو صحیح مسئلہ جانتا چاہئے۔ مگر آگے  
 ساتھ ساتھ موجودات عالم کو ایک نہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ اختلاف اعیان اس کہنے  
 میں ہے جسکا مقتضی کثرت و تمایز ہے۔ الحال اعیان ثابۃ کا بخوبی سمجھنا ہی اصل  
عرفان کا اصل الاصول ہے اور اسی سے سب سے حل ہو سکتے ہیں۔

س ۲۰) کیا مسئلہ وحدۃ الوجود کے لحاظ سے اعیان ثابۃ پر ہمہ اوست کا  
 اطلاق ہوگا؟

ج ۲۰) اعیان ثابۃ اُن حقایق اعیان کا نام ہے جو علم باری تعالیٰ میں ازل  
 ثبات پر اسرار میں ہیں کہ وہ ہمہ اوست کا وجود سے انوکھی کہ حصہ طلب ہے نہ ٹپکا اور انیل کو

جو موجودات کہا جاتا ہے وہ محض مجازاً اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اعیان ثابتہ  
 آثار و استعدادات وجود میں ظہور کر رہے ہیں اور جو و کیرف انکی نسبت ہو گی  
 جو انے ظہور کا باعث ہے لہذا اعیان ثابتہ پر ہمہ اوست کا اطلاق درست نہیں  
 کیونکہ اعیان ثابتہ مظاہر اساء و صفات میں جو باہم مختلف و متمایز ہیں ایک ہی اسم کا  
 اطلاق دوسرے پر صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک کا مقتضا مختلف ہے۔ بخلاف وجود  
 جو انے ظہور کا باعث و موجب ہے وہ بلا شک و شبہ ایک ہے مگر اسے ایک  
 ہونے سے سب موجودات ایک ہیں ہو سکتے کیونکہ کائنات عالم کی ہر ایک شے  
 مراد اسکی عین ثابتہ مع وجود کے ہے جس میں اسکے آثار و مظاہر ہیں اور یہ مختلف  
 و متماثر ہیں جن کی کثرت ہے پاباں ہے اس سے واضح ہو گا کہ اعیان ثابتہ  
 لحاظ سے ممکنات عالم پر ہمہ اوست کا اطلاق صحیح نہیں ہاں اعیان کے لحاظ  
 قطع نظر کر کے فقط وجود انکا ملحوظ ہو تو اسوقت ہمہ اوست کہا صحیح ہے اسوجہ  
 کہ سب کا وجود ایک ہی ہے جو سب پر یکساں فاعل ہے اور جس میں سب یکساں  
 طور پر ظاہر ہو رہے ہیں۔

الغرض مسئلہ وحدۃ الوجود ہی صحیح ہے جبکہ معنی وجود کے ایک ہونے کہیں  
 نہ مسئلہ وحدۃ الوجود جسکے معنی سب موجودات ایک ہونے کے ہیں کیونکہ سب  
 موجودات بوجہ اختلاف اعیان ایک نہیں ہو سکتے اور یہ خیال سب موجودات کے  
 ایک ہونے کا الحاد و زندہ کی طرف منجر ہوتا ہے جو خلاف شریعت ہے کیونکہ  
 اس کا مذہب سب شرائع باطل ہو جاتے ہیں اور عبد و رب کی تمیز مرتفع  
 ہو جاتی ہے۔

من (۱) ما انت کھول انت ہو جو اکابر صوفیہ کا قول ہے اسکا کیا مطلب ہے؟  
 ج (۱) یہ دراصل دو جملہ ہیں جن میں سے ہر ایک کی ابتدا و خبر ایک ہی ہے پہلے  
 میں تھی گیگی کہ جسے دوسرے میں اثبات نہیں اس پر ایام اجتماع نقیضین ہوتا ہے  
 جو محال ہے مگر درحقیقت اجتماع نقیضین نہیں ہے کیونکہ دونوں کے مفہوم میں  
 بلکہ معنی و اعتبار کے فرق ہے اجتماع نقیضین میں کمی و حیثیات کا اتحاد  
 ضروری ہے و بیان ضروری ہے۔ چنانچہ پہلے جملہ میں عبد کے رب ہونے کی  
 نفی کی گئی ہے یہ بھی درست ہے کیونکہ حد کی حقیقت اسکی معین ثابت ہے جو

عدم ہے لہذا وہ رب نہیں ہو سکتا کیونکہ رب موجود ہے اور عبد کی حقیقت عدم ہے  
 بخلاف دوسرے جملہ کے کہ اس میں عبد کے رب ہونیکا اثبات کیا گیا ہے اور  
 یہ اسوجہ سے درست ہے کہ عبد کا وجود جس میں اسکی عین ثابت کے آثار نمایاں ہیں  
 وہ عین وجود رب ہے نہ غیر کیونکہ وجود میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔  
 لیس فی الوجود الا للہ مسئلہ قول ہے۔ غرضکہ ہر شے میں اشیاء عالم سے  
 دو چیزیں ہیں ایک اسکی عین ثابتہ کی جو عدم ہے اور باعث کثرت اور ایک وجود کی  
 جو ایک ہے اور باعث اتحاد گویا اس جملہ کے یہ معنی ہوئے۔

ما انت بعینک هو بل انت بوجودك هو۔

س (۲) بندہ کس لحاظ سے مکلف ہے۔

ج (۲) بندہ اس لحاظ سے مکلف ہے کہ وہ عبد ہے اور اسکی اصلیت عین  
 عین ثابتہ عدم ہے اور وہ ہر آن اپنی قیام کیلئے وجود کے فیضان کا محتاج ہے اور  
 احتیاج کے سبب سے وہ مکلف ہے۔

س (۲) قائل فی اللہ وبقا باللہ کا کیا مطلب ہے۔

ج (۳) جب عبد اپنے عبودیت کے مقامات سیر و سلوک طے کرتے ہوئے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اپنی خودی سے الگ ہو جاتا ہے یعنی اپنے مقتضیات نفس و خواہشات نفسانی کو خدا کے مقابل میں ترک کر دیتا ہے اور مروجہ کے کالمیت فی ید الغاسل خدا کے ہاتھ میں ہو جاتا ہے تو اس وقت اسکی ہر حرکت و سکون اسکی نہیں رہتی بلکہ خدا کی ہو جاتی ہے۔

اوشدز میان ہیں خدا مذہب الفقرا ذاتہا حقہ اللہ است

یعنی اسکی خودی جو درمیان عباد و عباد کے حامل تھی اٹھ گئی تو اب فقط خدا ہی خدا رہا یہی معنی ہیں الفقرا ذاتہا حقہ اللہ کے یعنی فقیروں کی جب کامل ہو جاتی ہے تو بس خدا ہی خدا رہ جاتا ہے یہی معنی ہیں فنا فی اللہ و بقا باللہ کے مختصراً۔

س (م) توحید ذات و توحید صفات و توحید افعال کا کیا مطلب ہے۔

ج (م) توحید ذات یہ ہے کہ خدا کی ذات کی کیمائی وحدت کے

مشابہہ میں اسقدر محو ہو جاوے کہ کوئی کا خیال سرے سے مٹ جاوے اور غریب عالم کی طرف کی نظر سے بالکل محو ہو جاوے جسے کہ اس کے اسلوب فنا

غیر ذات نہ جانے یہی توحید ذات ہے۔ توحید صفات یہ ہے کہ دونوں جہاں کی ہستی کو اسکی اسماء و صفات کا ظہور مشاہدہ کرے یا صفات کی کثرت میں وحدت ذات کا مشاہدہ کرے یہی توحید صفات ہے اور بس۔

اور توحید افعال یہ ہے کہ ساری موجودات عالم کے ہر حرکت و سکون میں محض تعالیٰ کے ہی فاعل حقیقی ہونے کا مشاہدہ کرے اور بس۔

س (۵۰) تنزیلات سستہ کی توضیح کیجئے۔

س (۵۰) تنزلاتِ ستیہ کی توضیح کیجئے۔

ج (ج) تنزلات سے وجود حق کے اُچلے مدارج کا نام ہے جو اطلاق کے درجہ  
لیکر عالم انسانی کے درجہ تک پہنچے ہیں اور یہی تعینات ذات بھی کہلاتے ہیں  
اگرچہ تعینات ذات مثلاً کے لامحدود وغیر متناہی ہیں لیکن کلی طور پر کل چھ مدارج ہیں  
یعنی ذات واجب تعالیٰ باعتبار کثرت حقیقت اپنے بحکم قولہ تعالیٰ ولا یحیط بہ علماً  
کسی کے احاطہ علم و ادراک میں نہیں آسکتی۔ اور یہ درجہ ذات بحت کا باعتبار  
لا تعین اور ہونیت مطلقہ کے ہے کیونکہ اس درجہ میں وہ سب قیود سے مطلق و آزاد  
و یہاں اعتبار رائے کا ہے نہ عدم اعتبار رائے کا نہ اس پر کوئی حکم لگا سکتے ہیں نہ

کسی صفت سے موصوف کر سکتے ہیں اور نہ اسکی طرف کوئی نسبت صحیح ہو سکتی ہے  
 اور نہ اضافت اسی درجہ لائقین میں ذات بحت کو مجہول مطلق مانا گیا ہے۔  
 عقائد شکار کس نشود دام باز ہیں - کائنجا ہمیشہ باوہت است درم را  
 اسی درجہ کو عرف میں حضرت غیب الغیب و بطن کل باطن و ہیئت مطلقہ <sup>حافظ</sup>  
 کہا جاتا ہے۔

سہ چونکہ اس درجہ سے صوفی و عارف کو کوئی سروکار نہیں ہے لہذا عرفان  
 اس سے متعلق نہیں ہے۔ اب اسکے بعد تعین کا درجہ ہے جسکے مراتب اگرچہ  
 بے انتہا ہیں مگر بطور کلیہ کے چھ مراح میں اسکو منحصر سمجھا گیا ہے اور انہی سے  
 عرفان متعلق ہے جنکا سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) غیب اول و تعین اول یہ وحدت صرفہ کا درجہ ہے جو احدیت و واحدیت کی  
 اصل ہے اور یہ اہل و منبع تمام قابلیتوں کا اور سرچشمہ تمام تعینات کا ہے اسی میں  
 ذات بحت متمیز ہوتی ہے۔ باعتبار اہل و سرچشمہ کل قابلیت و تعینات کا  
 ہونے کے انکی کو عرفاً مرتبہ جمع و مرتبہ وجود یا احدیت جامعہ یا احدیت جمعہ

مقام جمع یا حقیقت جامعہ یا حقیقۃً - الخالق کہتے ہیں۔

(۱) تعین ثانی و غیب ثانی جسکو عالم معانی بھی کہا جاتا ہے اس میں تمیز ذات کا بے علم ہوتا ہے اور یہ اعیان ثابۃ کا درجہ ہے یعنی جس میں خالق کو ان عالم بیوقوف اعیان ثابۃ علم باری تعالیٰ میں ثابت ہوں اسی لحاظ سے اسکو عالم معانی کہا جاتا ہے اور اسی مرتبہ میں اسما الہی وحقائق کوئی با یکدیگر متمیز ہوتے ہیں کیونکہ وہ اسما مختلفہ کے مظاہر ہیں اور اسی درجہ کو عرفاً مختلف نام مختلف اعتبارات سے دیکھتے ہیں مثلاً حضرت واحدیت - حضرت عائہ - حضرت الوہیت - حضرت ارسام

حضرت علم انلا - مرتبہ امکان - حضرت الاساد وغیرہ۔

(۲) تمیزات منزل مرتبہ ارواح کا ہے اسی کو عرفاً عالم غیب - عالم امر - عالم علوی عالم ملکوت وغیرہ کہتے ہیں یہ وہ عالم ہے جسکی طرف اشارہ کسی کی باتیں ہیں اسی میں تمام قسم کے فرشتے جن وشیاطین داخل ہیں منجملہ ان کے ایک قسم وہ ہے جسکو ملائکہ کہتے ہیں انہی میں دو قسمیں ہیں - ایک وہ جسکو عالم دال عالم سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں اور نہ عالم کی انہیں خبر ہے انکو ملائکہ



ہمیشہ کہتے ہیں کیونکہ یہ جلال و جمال باری تعالیٰ میں سر تا پا غرق ہیں کسی سے کچھ سہا سہا  
 نہیں۔ دوسری گروہ وہ ہیں جو اگرچہ عالم اجسام و شہادت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے  
 مگر یہ دربانانِ بارگاہ الوہیت و واسطہ فیض ربوبیت ہیں انہی کی صف  
 اول میں انکار میں ایک فرشتہ ہے جسے روح اعظم کہتے ہیں اور اسی کو درجہ  
 اصطلاح میں قلم اعلیٰ و عقل اول بھی کہا جاتا ہے انہی کے صف آخر میں حضرت  
 جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور ایک قسم کوہ ملائکہ ہیں جنکو عالم اجسام سے خاصہ تعلق  
 ہے۔ یہ روایات کہلاتے ہیں اسنے بھی دو قسم ہیں ایک ملکوت اعلیٰ دوسرے  
 ملکوت اسفل اول الذکر کو تدبیر و تصرف ساویات عطا ہوا ہے آخر الذکر کو کائنات  
 اسفل یعنی معاملات ارضی کا تصرف و تدبیر حاصل ہے۔ انہی میں سے جن دنیا  
 ہیں جنکار میں الطبع ہے عوالم تعالیٰ مکان من الجنۃ اسکی دلیل ہے  
 (۴) عالم مثال یہ عالم واسطہ ہے۔ درمیان عالم علوی و عالم سفلی کے یعنی دنیا  
 عالم ارواح و عالم اجسام کے اسی کو عالم برزخ۔ عالم خیال متصل و منفصل  
 کہتے ہیں متصل میں ادراک قوائے دماغی شرط ہے اور منفصل میں شرط نہیں

اسی منفصل میں ارواح کا جسد بنانا اور اجساد کا ارواح بنانا واقع ہوتا ہے جیسے  
جبریل کا بصورت حضرت وحیہ کلینی کے وحی لانا اور اولیاء اللہ کا مختلف صورتوں میں  
دکھائی دینا نیز جن وشیاطین کے تصرفات ہوتے ہیں۔

۱) عالم ملک و شہادت جسے عالم حسی و عالم اجسام بھی کہا جاتا ہے اسکی دو قسم یہ  
ایک علویات جیسے عرش و کرسی وغیرہ داخل ہیں۔ دوسرے سفلیات جیسے غریبا  
و آثار علویات جیسے برق و رعد وغیرہ داخل ہیں و مرکبات جیسے معادن و نباتات  
و حیوانات و بدن انسانی وغیرہ ہیں۔

۲) مرتبہ انسان کائنات جو جامع ہے جمیع عالمات مذکورہ السابق کو لہذا یہ اثر  
موجودات و منرا و اخلافت روحانی و لائق شکل بار امانت یزدانی ہے۔

س (۷۶) عروج و منزل کا کیا مطلب ہے؟

ج (۷۶) وجود کے مدارج نزول کا آخر درجہ اثنان کمال ہے اور اسکی  
عروج کا بلند درجہ غیب العیب و حقیقۃ الحقائق ہے اسکی تفصیل اوپر  
ہو چکی ہے۔

س (۱۱) حدیث صحیح میں جو مروی ہے کہ خَلَقَ اللہ آدم علیہ الصلوٰۃ  
 بیٹے آدم کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا اس کا کیا مطلب ہے؟ الحقائق  
 ج (۱۲) انسان کامل جامع جمیع حقائق عالم ہے جیسا کہ خدا کی ذات حقیقہ  
 اور جامع جمیع حقائق ہے نیز کہ حقائق عالم جمیع صفات و اسماء الہیہ کے مظاہر  
 ہیں تو معلوم ہو کہ تمام عالم بسطی ایک بڑا ڈھانچہ مختلف اسماء و صفات کے  
 مظاہر کا ہے اسی طرح اس کا ایک مختصر ڈھانچہ انسان کامل ہے اسی واسطے  
 اس کو عالم صغیر اور عالم کو انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ جلد اسماء  
 و صفات مظاہر ذات ہیں اور عالم میں مولیٰ ذات باری کے درحقیقت  
 اور کوئی موجود نہیں ہے اس لحاظ سے انسان کامل کا صورت حق پر ہونا ضابطہ  
 واضح ہے اور یہی راز ہے اس بات کا کہ کائنات عالم میں سے بجز انسان  
 کامل کے خلافت رحمانی کی اور کوئی قابلیت و اہلیت نہیں رکھتا اور یہی  
 وہ امانت ہے جس کا بارگراں اٹھانے سے بجز انسان کے اور سب کائنات  
 عالم نے انکار کر دیا اور ڈر گئے یا عاجز ہو گئے۔

س (۶۰) کیا حقیقت باری تعالیٰ کا کسی کو علم ہو سکتا ہے اگر نہیں تو کس کتاب  
 ج (۶۱) وجود باری تعالیٰ کے مختلف اعتبار و مباح ہیں جیسا کہ سوال نمبر ۵۷ میں  
 گزر چکے ہیں انہیں ایک اعتبار ذات بحت اور کہ حقیقت ذات یا مرتبہ۔  
 غیب الغیب اور مہیت مطلقہ کہے اس درجہ میں چونکہ اس کا تعلق نہیں ہے  
 جس سے اسکی وصف کیجائے یا کوئی نسبت اسکی طرف لگائی جاوے لہذا علم  
 انسان اس درجہ سے متعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ بنا بران ذات باری تعالیٰ باعتبار ہوت  
 مطلقہ کے بالکل بے ہول مطلق ہے **وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ اللَّهِ غَيْبٍ**  
**عَنِ الْعَالَمِينَ**۔

س (۶۲) مَنْ عَرَفَ فَلَسَ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ جو مروی ہے اس کی کیا تائید  
 ہے۔

ج (۶۳) انسان عالم صغیر ہے یعنی عالم کا مختصر ڈپانچہ اور عالم انسان کبیر ہے یعنی  
 عالم انسان کی تفصیلی صورت ہے نیز یہ کہ عالم مظاہر اسما و صفات کا نام ہے اور عرفان  
 انسان کی دوڑ انہی اسما و صفات کے درجہ تک ہے جو یقین اول ہے حد ذات

بسمت با حقین تو مجہول مطلق ہے نتیجہ یہ ہے کہ ہم سے اپنے آپ کو تفسیر و اجمال  
بمجاہد ضرور اسما والیہ کے ظہور کا مشاہدہ کرے گا اور سمجھ جائے گا ہی معرفت رب ہے۔

س (۹۰) سیر فی اللہ۔ سیر فی اللہ۔ سیر مع اللہ۔ اس تینوں کی کیا حقیقت ہے۔  
ج (۹۰) جب سالک قلب کو غائی کے ذریعہ جبرائیل کے طرف متوجہ ہوتا ہے اور  
مکانات ملک لے کر رہا ہے تو اس کو سیر اندر حضرت کہہ لے۔

سیر اول جو سیر الہیہ ہے کہ حجاب ہائے کثرت صیغ وحدت سے اٹھ جائے  
اور مظاہر واحد سے نگاہ بند ہو جائے۔

اور سیر فی اللہ جو ثانی ہے یہ ہے کہ پر تہ وحدت کثرت کے دخول سے اٹھ جائے  
اور وحدت حق کے صفات و اخلاق سے متعلق و تصف ہو جائے اور باقیہا حضرت  
وحدت کی ہے۔

سیر اشیا باللہ جو اندراج حق فی اکلہ صیغ الہی فی اکلہ مشاہدہ ہے۔  
یعنی جن وحدت کو صورت کثرت میں اور صورت کثرت کو صیغ وحدت میں مشاہدہ کرے

اور مقام احدیت صیغ و فرق کا ہے اور سیر مقام بانیہ الصا کا ہے۔

س (۱۰) مفسر۔ العجز عن ذلك لا يزال، اذ انك جواہر صوفیہ منقول  
اسکا کیا مطلب ہے۔

ج (۱۱) چونکہ ذات حق حقیقہ استخانی و ہستیہ مطلقہ کے درجہ میں حسب ارشاد  
وَلَا تَدْرِي لَوْنٌ بِهَا عَلَيَّ مُجْمُولٌ مطلق ہے جسکے ادراک سے سارے مذاک انسانی فہم  
بہرہ اس لحاظ سے کہ اہل عرفان جو ادراک انسانی کا کمال ادراک یہ ہی ہونا چاہئے  
کہ اپنے کو اس ادراک سے عاجز سمجھے کیونکہ یہ اقوال عجز ادراک کئے ذات سے اس بات کا  
پتہ دیتا ہے کہ اس نے ذات خداوندی کی نسبت ٹھیک ٹھیک عرفان حاصل کر لیا ہے نہ  
اور وہ ادراک کا اظہار کرے تو یہی سمجھا جائیگا کہ اس نے ٹھیک ٹھیک مطلب کو نہیں سمجھا  
اگر سمجھتا تو اس پر کئے ادراک سے عاجز نہ ہوتا اور اگر کرتا چنانچہ اسی واسطے سراج  
عارفین اولین و آخرین کا یہ ارشاد منقول ہے مَا عَرَفْتَكَ وَغَيْرَ اَنْتَ كَمَا  
اَنْتَ تَنْتَ تَعْلَى فَهَيْتَكَ

س (۱۲) سب کو محو کوئی حالتیں

ج (۱۲) سب کو ایک حالت کا نام ہے کہ صوفی کے قلب پر خدا کا دل و قوی آجائے ہے

وہ حیات کے احساس سے محفل ہو جاوے اور اس کو اس میں ایک قسم کا طرب التذاذ  
ماثل ہو اور صحو اس حالت کا نام ہے کہ اس سکر کی غیبت کے بعد صوفی احساس کو نظر  
پر عکس کرے۔

س (۸۳) اکملہ حجاب اکبر کا کیا مطلب ہے۔

ج ۲ ص ۱۱۱ بعض جاہل بے سمجھ لوگ جو اپنے کو صوفی جانتے ہیں یعنی متشہہ بن بالوصوفیہ  
ہیں علم سے یہاں علم ظاہری یعنی علم شریعت مراد لیتے ہیں حالانکہ یہ ایک فطری ہے  
صوفی کے لئے علم ظاہری (شرعیات) ضروری ہے۔ بلکہ یہاں علم سے مراد صوفی و  
سک کا اپنی خودی کا علم و شعور حاصل کرنا مراد ہے اور اس کے حجاب اکبر چونکہ  
یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک صوفی اپنے خودی کے شعور یعنی علم سے بے شعور ہے جس  
نہو جاوے تب تک اس پر اسرار الہیہ اور اس بارگاہ عزت کے راز نہیں کھلتے اور  
یہ شعور و علم اپنی خودی کا اور سکوان اسرار بارگاہ صمدیت کیلئے ہمنزلہ حجاب دیرہ کے  
ہو جاتا ہے۔

س (۸۴) آیہ کریمہ انا عرضنا لکامانہ علی السموات والارض والجبالی فائسن ان

عِلْمِنَا وَآمَنَ قَوْلُنَا بِمَا كَلَّمَكَ اللَّهُ لَمْ يُكْذِبْ ۖ كَذِبًا كَانَ كَلِمًا  
 امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر قیام کے برداشت کرنے سے انکار  
 اور ڈر گئے اور انسان اس کو برداشت کر لیا۔ بیشک وہ بڑا ہی بیجا کلام اور نادان ہے  
 اس میں امانت مذکورہ ہے کیا مراد ہے۔

ج (۸۴) امانت سے خلافتِ رحمانی یا خدا کی نیابت اور عرفانِ کامل مراد  
 ہے جو آیتہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں مذکور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام کائنات عالمِ اسماء و صفاتِ الہیہ کے مظاہرِ مخلوق ہیں اور  
 انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو تمام کائناتِ عالم کے خالق کو جو خالقِ اسما میں  
 جامع ہے اور اسی جامعیت کے باعث وہ قائم نائب و خلیفہ خداوندِ تعالیٰ کا ہے  
 اور یہ بات کسی چیز میں خواہ وہ آسمان ہو یا زمین نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ قابلیت  
 بسوا انسان کے کسی میں فطرۃً ودیعت ہی نہیں ہوئی اور اسی فطرتی قابلیت کو اللہ تعالیٰ  
 کرنے اور ڈرنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور چونکہ انسان میں فطرۃً یہ مادہ موجود ہے  
 مگر باوجود اسکے بھی وہ پوری پابندی نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات حیوانات سے بھی



بدر ثابت ہوتا ہے اسی لئے اسے ظلوم و جہول فرمایا گیا ہے ۔

س (۸۵) فیض اقدس و فیض مقدس سے کیا مراد ہے ۔

ج (۸۵) فیض اقدس اس تجلی ذات علی الذات کا نام ہے جس سے عالم کے مخلوق یعنی اعیان ثابۃ حضرت علیہ باری تعالیٰ میں ثابت اور بائیکہ دیگر متمیز ہوئے اور یہ ذات بحت و ہوت مطلقہ اور جو مطلق کا پہلا تعین ہے ۔

فیض مقدس اس تجلی کا نام ہے جس سے وجود کا فیضان عالم کے اعیان ثابۃ ہوا اور ان کے آثار و استعدادات اس وجود میں ظاہر ہوئے جسکو عرف میں ان کا معراج دھونا کہا جاتا ہے مثلاً مختلف تخمیں میں مختلف رنگ و غر و پھول و پتوں والے چاروں کی قابلیتیں اور استعدادات دی گئی ہیں یہ گویا فیض مقدس ہے اور جو ازل میں ہو چکا ہے اور ان کا مقررہ صورت و شکل و رنگ میں ہمیشہ ظاہر رہنے کا فیض مقدس ہے ۔

غرض کہ فیض اقدس سے اعیان ثابۃ مع ان کے استعدادات

مکملیت کا حضرت علیہ باری تعالیٰ میں موجود ہونا مراد ہے اور فیض مقدس سے انکی

استعدادات و قابلیتات کا گہر پر فی النہایہ اور ہے۔

س (۶۶) خلافت آدم سے کیا مراد ہے۔

ج (۶۶) نبیانت و وحی کی ہے ایک طبعی دوسرے کہی۔

طبعی یہ ہے کہ خدا نے انسان کو فطرۃً اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یعنی ذات  
باری تعالیٰ کو جو حضرت احدیت جمع میں تمام قابلیتوں کی جامعیت حاصل ہے اسی کا  
مانند ذات انسان کو فطرۃً جامعیت تمام قابلیتوں کی عطا ہوئی ہے۔

اد کسی یہ ہے کہ جملہ خدا کے تعالیٰ تمام اسماء و صفات سے متصف ہے  
اگر انسان بھی کسب سے یعنی عرفان کے ذریعہ مستحق با اسماء اللہ اور متخلق باطاعت اللہ  
ہو جائے تو گویا اس نے اپنی خلقت کو حاصل کر لیا اور بیچ مچ خدا کا نائب اور  
خلیفہ اس عالم میں اپنے آپ کو ثابت کیا ایسا ہی انسان انسان کا الہی  
عارف باللہ کہلا سکتا ہے۔

س (۶۶) آیہ کریمہ وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدَنِي یعنی میں نے  
مensch اپنی عبادت کے لیے بنایا اور انسان کو پیدا کیا۔ اس عبادت کے کیا معنی ہیں۔

ج (۱۰) اس میں اختلاف ہوا ہے کہ عبادت سے کیا چیز مراد ہے بعضوں نے عبادت  
 محض معرفت مراد لی ہے اور بعض عبادت ظاہری مراد لیتے ہیں مگر بصورت اول اہل  
 کرنی پڑتی ہے اور باعتبار الفاظ سے کلمہ پیر کی ضرورت ہوتی ہے جو طریقہ سلک  
 مخالف ہے اور بصورت ثانی اگر عبادت سے مراد عرفی عبادت ظاہری لیا جائے  
 یعنی یہ کہ فطرات دن عبادت کرنے کے لئے انسان بنایا گیا ہے تو فطرت انسان  
 اور شریعت اسلام کے خلاف پڑتا ہے جو مقتضی تمدن اور معاشرت با خلق ہے  
 کیونکہ اس میں اتلاف حقوق العباد مقصور ہے چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
 اور آپ کے پیسے مائتھنوں سے بھی یہ ثابت نہیں کہ سب دنیاوی تعلقات کو  
 ترک کر کے عبادت کے لئے گوشہ نشین و عزلت پسند ہو گئے ہوں بلکہ اس کے  
 برعکس انکا دنیاوی تعلقات و امور دنیاوی میں تاجد اعتدال مصروف ہونا ثابت  
 ہے اور یہ ناممکن ہے کہ حضور اور آپ کے صادق متبعین خدا کے حکم کے خلاف  
 عمل یہاں سے ہوں اس لحاظ سے اسکے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ عبادت اس  
 تعلق مع اللہ کا نام ہے جو حقیقی طور پر بندگی کا مصداق ہو اور یہ وہ تعلق ہے

جو کسی بندہ یا غلام کو اپنے آقا کے ولی نعمت سے ہوتا ہے اور یہ اپنے مالک کی ہر بات پر  
 تسلیم خم کرنے والاعت کرنے کا نام ہے اور جو کہ حدیث انما الاکمال للنبیاء کے  
 لحاظ سے ہر عمل کی خوبی اور بدی کا دار و مدار محض نیت پر ہے نہ ظاہر پر جسے عمل برکت  
 - صفت چھٹی نیت ہو ویسا ہی وہ عمل محبوب ہوتا ہے اور جو کہ صوفیا کرام کی نیت انکی  
 زندگی کے تمام اعمال سے حسب الحکم قل ان مملوئی و نسکی و تحیای و نمائی للہ العالی  
 خدا کی لاعت و رضا جوئی ہوتی ہے جس سے کسی وہ غافل نہیں ہوتے۔ لہذا انکے  
 سارے اعمال زندگی خواہ وہ امور تعلقات و بیوی کے کیوں نہ ہوں بالکل خاص  
 مخلصانہ ہوتے ہیں اور اسی واسطے یہ سب اعمال زندگی انکے حسب نیت خاصہ  
 انکے عبادت میں داخل اور محبوب عند اللہ ہوتے ہیں اور دراصل اسی نصیب حال  
 مع اللہ کا نام تصوف اور دین اسلام کا درجہ احسان۔ اور یہی فرقہ طائفیہ کے  
 برگزیدہ ہونے کا راز ہے لہذا اسی کے کیا انہی انکی برتری ثابت ہوتی ہے  
 اور اسی قلع مع اللہ اور بندگی کے اثبات کے لئے ساری شرائع اور تمام رسوم و  
 وغیرہ فرض ہوئے ہیں۔ جنکی پابندی و بجا آوری ہر حال میں لازم ہے۔

س (۸۸) حدیث قدسی کنت لکڑا غنیا فَاَخْبَيْتُ اَنْ اُحَرِّقَ فَنَلَقْتُ الْخَلْقَ لِي بِنِ  
توضیح ہے۔

رج (۸۸) ذات باری تعالیٰ باعتبار اس کے درجہ احدیت جامعہ کے سب قابلیتوں  
اور کمالات کا منبع اور مخزن تھی جب اپنی قابلیتوں اور کمالات کے اظہار کا قصد  
ہو جو اساء وصفات الہیہ میں مضمر تھے تو خلق کو پیدا کیا جو ان اساء الہیہ کے  
مظاہر ہیں گویا یہ شاہد معنوی کے خوبیوں اور محاسن جمال کے لئے بہتر لہ آئینہ کے  
تعمت ہوئی اور پھر انسان کو ایسا ایک آئینہ بنایا گیا جو ان سارے آئینوں کا  
مکس اس میں جملہ موجود ہو اور آئینہ ایسی چیز ہوتی ہے جس کے ذریعہ اپنی خوبیاں  
اور محاسن جمال کو آپ پاسکتے ہیں۔

الغرض خلق کی پیدائش سے حضرت باری کو اپنی معرفت مقصود تھی چنانچہ قرآن  
پاک میں کئی جگہ یہ مضمون وارد ہے کہ ہم خدا ہی کے لئے ہیں اس سے یہی راز  
مقصود ہے جیسے قولہ تعالیٰ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ یعنی ہم خدا ہی کے لئے  
ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں نیز قولہ تعالیٰ۔

قُلْ إِنَّمَا صَلَّوْا لِي وَتَسْكُنُوا عَجَائِي  
 وَمَا تَنِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَيْءَ بِلِقَائِهِ  
 وَبِذَلِكَ أَهْتَفْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْكَلِمَانِ  
 یعنی کہدو اسے نماز کی یہی نماز  
 وعبادت اور یہ احیائے نماز خاص خدا کے  
 رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی ذکر کیا  
 نہیں اور اسی کا مجھے حکم ہے اور میں پہلا  
 مسلمان ہوں۔

س (۸۹) قَوْلُهُ تَقَالُوا اللَّهُ نَوَاسِوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُوْرٍ كَشْكُوْرَةٍ فَنَسَا  
 مصباح المصباح فی زجاجة الزجاجة کا بنا لو کب در ی یو قد من شجرة مباركة زیتونة  
 لا شرقية ولا غربية یکا در تہا یضی و لو تسم نار نور علی نور یبدری اللہ لہ من  
 بشار آئیدہ اسکی کیا توضیح ہے؟

ج (۹۰) اِس آیت میں خدا تعالیٰ نے عالم کے اس مخلوق کو جو ذات خدا کو بڑی سے  
 ہے بطور تشبہ بیان کیا ہے۔

چنانچہ اس کے لئے اس نے ایک ایسے چراغ کی تشبہ دی ہے جو کچھ کی  
 قندیل یا جلابین ہو اور وہ مکان کے کسی تابدان یا طاق میں رکھا ہو جس میں کئی لوگ

میں نے روشنی ہے جس سے فیتلہ چراغِ نیشن ہے تیل ہے اور آگ ہے جو تیل کا فیضان  
 قبول کر کے متواتر روشن رہتی ہے اور فیتلہ کو روشن رکھتی ہے جو تھا فیتلہ ہے جو تیل کا فیضان  
 حاصل کر کے روشن رہتا اور آگ تیل کے درمیان واسطہ ہے یا جو اس کا بیج کا حباب یا قندیل ہے  
 اگرچہ سلیات ہے مگر لطیف ہے اسوجہ خود اس فیتلہ کی روشنی کو قبول کر کے دوسرا شیا یا نور شمع کی طرح  
 چھٹا وہ تابان یا طاق ہے جو اس قندیل یا حباب سے روشنی لیکر روشن عالم  
 چھڑتا ہے یہی مثال عالم اور حق تعالیٰ کی ہے۔ ذات باری تعالیٰ وہ وجود مطلق  
 جسے فیضان ہے عالم کی ہر چیز کا مجبور ہو رہا ہے اگر یہ فیضان ایک آن کیلئے  
 بھی بند ہو جاوے تو پھر سب عالم عدم ہی عدم ہو جاوے جیسے تیل کا فیضان فیتلہ  
 ہوتا ہے کہ اگر ایک آن ہی ذرہ رکھ جاوے تو پھر سارا گھر تاریک ہی تلک ہو جاوے  
 اب اس وجود مطلق کا فیضان پہلے پل عقل اول پر جسے قلم اعلیٰ و حقیقت محمدیہ کہتے  
 ہیں ہوتا ہے اسی واسطے وارد ہے کہ اول مطلق اللہ العقل۔ پھر یہ بھی کہ اول  
 مطلق اللہ نوری۔ نیز یہ بھی کہ اما بنی لوفی اللہ مطلق شیء بین نوری یہ منبر  
 آگ کے ہوا کیونکہ پہلے پل تیل جو جلوہ گر ہوتا ہے تو آگ ہی کی صورت میں ہوتا ہے

مگر خاتم الہی اور آگ ہو تو روشنی متصور نہیں ہوتی بلکہ ایک کثیف شے یعنی فیتلہ کی ضرورت ہے جس میں آگ اتر کرے اور وہ اس سے متاثر ہو کر چراغ کی صورت بنا اس فیتلہ کی مثال نفس کلیہ کی ہے جسے عرف شرع میں لوح محفوظ کہا جاتا ہے اور قلم کا اثر یعنی عقل اول کا اثر قبول کرتی ہے اور سب چیزوں کے ظاہر اور روشن ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ یہ قلم و لوح سب عالم ارواح سے ہیں جبکہ بعد عالم مثال یعنی عالم برزخ کا درجہ ہے جو عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان واسطہ ہے۔

ایسا ہی فیتلہ اور آگ ملکر چراغ بنے جبکہ بعد چینی یا اجاب و قندیل کا درجہ ہے اب اس چینی کی حالت بالکل عالم مثال جیسی ہے اسلئے کہ عالم مثال و برزخ جیسے واسطہ ہے درمیان عالم ارواح نورانی اور عالم اجسام ظلمانی کے ایسے ہی یہ چینی لطیف بھی ہے کہ ہر رنگ چراغ کے بناتی ہے اور کثیف بھی ہے کیونکہ مادہ زمینی کی شے ہے اسلئے وہ واسطہ بنتی ہے درمیان نور اور تاریکی کے اور خود روشن ہو کر دوسرے تاریک اشیاء کے روشنی اور ظہور کا باعث ہوتی ہے جیسے کہ عالم مثال عالم ارواح سے معانی و محتائق اشیاء کو لیکر پھر عالم اجسام میں ان کے ظہور کا باعث ہو جاتا ہے۔ اب



اس کے بعد درجہ عالم اجسام کا ہے جسکے ظہور کا باعث عالم مثال وبرزخ ہے جسکی مثال  
 اس طاق یا تابہ ان کی ہے جو بالکل مظلم و کثیف شے ہے مگر چینی چراغ کے نور سے  
 منور ہو کر اسکے ظاہر اور روشن ہونے کا باعث ہو رہی ہے۔ اس مثال سے ظاہر  
 ہو سکتا ہے کہ کس طرح ایک ہی نور چراغ کا ایسا ہے جو حسب قابلیت و استعداد ہر شے کے  
 روشن و ظاہر ہونے کا باعث بن رہا ہے ورنہ سب تاریک ہی تاریک ہے ایسا ہی  
 وجود باری تعالیٰ الہی وجود مطلق ہے جو ساری موجودات کے ظہور کا باعث ہو رہا ہے ورنہ  
 سب عدم ہی عدم میں طے نہ اسی طرح روشنی چراغ سب اشیاء کے ظہور کا باعث اور سب کو  
 محیط ہے مگر باوجود اسکے جو اشیاء کے دیکھنے والے کی آنکھوں میں خود او جھل اور مخفی  
 ہوتی ہے جیسے آئینہ میں صورت دیکھتے وقت صورت ظاہر اور آئینہ مخفی ہو جاتا ہے  
 اسی طرح وجود باری کی مثال ہے کہ وہ روشنی کی چادر کی طرح تمام عالم کے موجودات کے  
 ظہور کا باعث ہے اور سب کو محیط ہے مگر خود آنکھوں سے او جھل اور مخفی ہے حالانکہ  
 وہ کسی سے الگ نہیں ہے بلکہ سب کو محیط اور سب کے ساتھ موجود اور اظہر ہے  
 قال اس آیت میں خداے تعالیٰ نے اپنے وجود کو مثلاً بیاں فرمایا ہے اس سے یہ لازم

ہیں کہ مشبہ کے تمام لوازمات مشبہ میں پائے جاویں جیسے بہادر کو شیر کہنے سے بچے  
ہونا اُسے لازم نہیں آتا۔

۱۔ عرب میں زیتون کا تیل زیادہ مستعمل تھا اور نیز اس میں بہت ساری برکتیں اور عجیب  
وغریب خواص ہیں اور وہ بڑی برکت کی چیز ہے لہذا اس سے تشیل دی گئی اور اُسے  
شجرہ مبارکہ فرمایا گیا ہے۔

۲۔ اس جبار کا غربی و شہر قی نہ ہونا اسوجہ سے ہے کہ وہ شام میں زیادہ اگتا ہے جو کہ  
وسطی حصہ ہے نہ غربی اور نہ مشرقی۔

۳۔ نورِ عظمیٰ نور ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نور چراغ اگرچہ ایک نور ہے مگر قندیل میں اسکا  
عکس پڑ کر قندیل وجا بھی ایک نورانی شے بن جاتے ہیں پھر یہ نور طاق و تابدان کو  
منور کرتا ہے اور وہ بھی نورانی بن جاتے ہیں۔ لہذا اصل چراغ کا نور ان نوروں سے  
مگر نورِ عظمیٰ نور بن جاتا ہے ہر چند نور ہے ایک ہی مگر ان سب اشیاء کے نوروں میں  
فرق ضرور ہے۔ ایسا ہی وجود باری تعالیٰ اگرچہ وہی ایک وجود حق ہے باقی اور سب باطل  
اور عدم مگر اسکے فیضان سے جو کائنات عالم کو وجودات خاصہ و ظہورات مخصوصہ حاصل ہیں

وہ اپنی اپنی حیثیتوں کے لحاظ سے باہم فرق رکھتے اور با یکدیگر ممتاز ہیں لہذا ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں۔ شعر

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد - گر خظم ارباب نہ کنی زندیقی -

س (۹۰) اَلَا مَعْنٰی نُوَدُّ اَللّٰہَ وَ مَحَلُّ شَیْءٍ مِّنْ فُجُوْرٍ۔ اس حدیث کی کیا توضیح ہے۔  
ج (۹۰) حقیقت محمدیہ جسے عرف شرعی میں تمام اعلیٰ اور اصطلاح حکماء میں عقل ہوا کہتے  
ہیں وہی مصدر کائنات ہے اور وہ بمنزلہ آگ کے ہے جس کے ذریعہ میل کا فیضان لُبُوْر  
چراغ جلوہ گر ہو کر سب کو منور کر رہا ہے اور نگاہیں لار رہا ہے۔

س (۹۱) حدیث مَن دَانِی فُقَد رَاٰی الْحَقَّ۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

ج (۹۱) انسان کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا اور جامع جمیع حقایق اسما و صفات  
الہیہ بنایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انسان کامل تھے اس لحاظ سے جس نے  
حضور کو دیکھ لیا اس نے گویا حقیقت خدا کو دیکھ لیا۔

س (۹۲) فَنَافِی الشَّيْخ - فَنَافِی الرَّسُول - فَنَافِی اللّٰہ یہ تینوں درج جو بیان کئے جاتے  
ہیں ان کا کیا مطلب ہے۔

ج (۹۲) فنا فی الشیخ یہ کہ مرید اپنے مرشد کی اتباع میں ہنسک بوجاوے اور چونکہ مرشد کا  
 درجہ حسب مقولہ اللیقم فی کومہ کالتبی فی آخر ہے اور مرشد کامل حضور کا سچا  
 نائب اور جانشین کہلا سکتا ہے تو اس لحاظ سے مرید فنا فی الشیخ کی منزلت سے فنا فی الرسول  
 کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ الغرض شیخ کامل کی اتباع کا نام فنا فی الشیخ ہے اسکے بعد  
 رسول کی پوری پوری اتباع خودی نفس کو مٹا کر اصل نجد کر دیتی ہے حسب اللہ شاد  
 نبوی لا یومن أحدًا کثر حتیٰ یکون هواہ تبعًا لما حبت بہ یعنی مومن کا اطلاق  
 اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ آدمی کی خواہشات حضور اکرم کے ارشادات کے  
 تابع و مطابق نہوں اور انھیں اپنی اتباع نفس کی خودی کو مٹا دیتی ہے اور وہ غلامِ شایستہ  
 نفسانی کو رہ کر رہتی ہے اور جب خودی مٹ گئی پھر تو خدا ہی خدا کا ظہور ہے اور فنا فی الرسول  
 کے بعد گویا فنا فی اللہ کا درجہ بہت سرفراز کنکہ یہ معراج کمال و وصال کے عین مدارج  
 و سبب ہیں جس سے بقایا اللہ حاصل ہوتی ہے اور انسان خلافت کے منصب کمال  
 کر لیتا ہے۔

س (۹۲) حقیقت محمدیہ سے کیا مراد ہے ؟

ج (۹۳) اصطلاح حکماء و فلاسفہ میں عقل اول اور بزبان شیخ قلم اعلیٰ ہے جو باعث ظہور خلق و مصدر کائنات ہے۔

س (۹۴) ولی کی کیا تعریف ہے اور قولہ اِنَّ اَوْلِیَاءَ الْاَلَا الْمُتَّقُوْنَ الْاٰیہ کے کیا معنی ہیں ؟

ج (۹۴) ولی کا حفظ ولایت سے ماخوذ ہے جس کے معنی عربی لغت میں قرب و دوستی ہیں اس لفظ سے ولی کے معنی خدا کے مقرب اور دوست کے ہوئے اور دوستوں مقربوں کی تعریف خود خدا اے عزوجل نے اس آیت شریفہ میں فرمائی ہے۔ اِنَّ اَوْلِیَاءَ الْاَلَا الْمُتَّقُوْنَ۔ رہی یہ بات کہ تقویٰ کے معنی کیا ہیں اسکی تفصیل یہ ہے کہ تقویٰ کے معنی لغت میں ڈرنے اور بچاؤ کرنے کے ہیں چنانچہ حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

التَّقْوٰی هَٰذَا بِاِشَارَةِ الْقَلْبِ۔ یعنی تقویٰ یہاں ہوتا ہے اور اپنے دل کی طرف اشارہ فرمایا۔

اب ظاہر ہے کہ جو تقویٰ دل میں ہوتا ہے وہ فقط خدا کا ڈر ہے اور اسکا

دوسرا ہے بچاؤ کا نام تقویٰ ہے کیونکہ جو مومن کامل ہوگا اور خدا پر یقین کامل رکھیگا وہ ہمیشہ اس کے خلاف مرضی عمل کرنے سے ڈریگا بلکہ اس کے مرضی کے موافق عمل کریگا اور وہ دل سے اس بات کا یقین رکھیگا کہ خدا تعالیٰ اسکے ہر حالت کا جاننے والا ہے اور ہر وقت حاضر و ناظر ہے ایسی حالت میں ایسا شخص اس سے ہر وقت ڈرتا رہیگا اور اسکے خلاف مرضی کسی فعل اور کسی حرکت و سکون کا مرتب نہ ہوگا اگر کبھی اتفاقاً تبتلائے بشریت ہو وہ فیان سے کوئی خلاف ورزی سرزد بھی ہو جائے تو فوراً پیرتبہ ہو کر اسکی تلافی مذبیہ تو یہ دستخط کر لیگا ارشاد خداوندی ہے کہ

وَإِذَا مَسَّكُمُ اتُّبَابُ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا يَتَّبِعُ الشَّيْطَانُكُمْ وَسُوءَ كَلِمَاتِهِمْ  
فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ..... تو فوراً ہوشیار ہو جائے اور سمجھ جاتے ہیں۔

غرض کہ یوں یاد کا طین چونکہ مقرب بارگاہ ایزدی ہوتے ہیں انکی حالت باطل بہرین بادشاہ کی سی ہوتی ہے جھو بادشاہ کے انداز و ادب سے اسکی ناراضی کا پتہ لھایا کرتا ہے نیز انکو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ بادشاہ کی غلگی سے ان پر کیا کیا آفتیں نازل ہو سکتی ہیں اسوجہ سے وہ ہر وقت بادشاہ کے مزاج و ان رستے میں اور اسکی غلگی و تذاضی سے

نافع و رسائل رکھ کر ان اسباب غلّی سے ہمیشہ بچتے رہتے ہیں یہی حالت تقویٰ میں بارگاہِ اہل حق کی  
 ہے چونکہ وہ اسکو ہر وقت و ہر آن حاضر و ناظر جانتے ہیں۔ لہذا ہر وقت اپنے کو ایسے  
 افعال کے ارتکاب سے خواہ مخواہ خائف سے خائف ہی کیوں نہ ہوں بچاتے رہتے ہیں۔  
 حسنات اکابر امتیات المقربین کا یہی مطلب ہے اور یہی خوف و حذر عرف میں تقویٰ کہلاتا  
 ہے اور حقدارِ ایمان کامل ہوتا جاوے گا ایستقد خدا سے تقرب بڑھتا جاوے گا یعنی اوسکے  
 مشاہدہ و حاضر و ناظر جانتے میں ترقی ہوتی جاوے گی اور حقدار یہ تقرب بڑھتا جاوے گا ایستقد  
 خوف و حذر خدا سے جس کا نام تقویٰ ہے بڑھتا جاوے گا اور حقدار یہ خوف و حذر ترقی  
 کرے ایستقد قرب بڑھتا جاوے گا کیونکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

الغرض اصلی تقویٰ جبر و لایت کا دوا و دمار ہے وہ اسی خوف قلبی کا نام ہے نہ ظاہری  
 پرہیزگاری کا جسکو عوام تقویٰ پرہیزگاری سمجھتے ہیں یہی مطلب ہے اس حدیث کا  
 جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غافلوں کی تشیل ایک ریل اور اونٹ سے دی ہے  
 جو یہ نہیں جانتے کہ انکا مالک انکو کیوں چھوڑتا ہے اور کیوں باندھتا ہے ایسا ہی غافل  
 لوگ بھی یہ نہیں جانتے کہ ان پر بخشش بعض آفتیں و مصیبتیں کیوں نازل ہوتی ہیں اور کیوں

انہیں زندگی کے مختلف اوقات میں تکالیف و اذیتوں کا سامنا ہوتا ہے بخلاف اولیاء اللہ  
مقویں کے کہ ہر وقت فائز و ترساں رہتے ہیں اور وہ ذرا ذرا سی بات میں خدائی  
مرضی اور ناسامی کو تاڑ جاتے ہیں اور فوراً اسکا تذکرہ کرتے ہیں۔

س (۹۵) وجہ اللہ سے کیا مراد ہے جو قولہ اِنَّا تَوَكَّلْنَاكُمْ وَجْہُ اللہ میں مذکور ہے۔  
ج (۹۵) وجہ اللہ سے مراد وہ وجود حق ہے جسکا فیضان عالم کی ہر ایک شے پر کیا  
گائے بلور پھیلا ہوا ہے جو بطور نور آفتاب کے ہے جو سب اشیا پر کیاں فیضان  
رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اِنَّا تَوَكَّلْنَاكُمْ وَجْہُ اللہ کا یہ مطلب ہے کہ جب ہم تم پر  
کرواد پر خدا کا وجود موجود ہے علی ہذا قولہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْہُ رَبِّی  
وجود حق مراد ہے اور کائنات عالم کے فنا ہونے کے یہی معنی ہیں کہ انکی شکل و مثال  
وہمیات کذائے جو استعدادات و قابلیتات و آثار اعیان ثابتہ عالم میں الٰہی جہا  
ہیں بخلاف وجود حق کے جس میں یہ ساری باتیں ظاہر ہوئی ہیں اسے نہ زوال نہ  
نفاذ نہ حی القیام نہ مستور نہ موجود ہے اور الان کما کانت کامضائق ہے۔ اسکا  
یہی ہو سکتا ہے کہ ایک جہا ہے کلمہ اسکی سیکڑوں روحیں الٰہی اور زوال ہوتا ہے



نفس دریا میں اس سے کسی قسم کا فرق نہیں آتا وہ بدستور قائم رہتا ہے۔

س (۹۱) کیا علم غیب خدا کے سوا کسی کو ہو سکتا ہے۔

ج (۹۲) غیب کا اطلاق دو امور پر ہوتا ہے ایک غیب ہوت مطلقہ دوسرے وہ شے جو انسان کی آنکھوں سے چھپی ہوتی ہیں یعنی جو عالم حس و شہادت سے بالاتر ہیں۔

شوق اول کا علم تو بجز ذات باری کے کسی کو ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ درجہ لائین میں ہے کما رسابقا ہاں البتہ دوسری شوق کا علم اولیٰ صوفیہ کرام کو ضرور ہوتا ہے یعنی ارواح طیبہ کدورات ظلمانی و نفسانی سے پاک و صاف ہو جاتی ہیں اور عالم بالا جو ان کا وطن اصلی ہے خاصہ تعلق پیدا کر لیتی ہیں اس صورت میں ان امور غیبیہ کا ایسا علم ہوتا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ہر شے اپنی اصل کے طرف رجوع کرتی ہے اصل

ظلم کے امور غیبیہ کا ادراک کرنا اس کیلئے کوئی مشکل امر نہیں ہے جو چیز کہ اسکے وطن سے اس کے روکنے والی تھی یعنی حجاب ظلمانی نفس اور پردہ کثیف آب و گل وہ تو اس کے ہر ذرے سے اب اٹھ چکا ہے اور اب اسکے سامنے کوئی حائل و مانع باقی نہیں

رہا جس کی وجہ سے اس کے روکنے والے چارچوڑے و کھنڈے و حائل بھی بر باد ہو گئے

فَلَا يَنْظُرُ عَلَىٰ عَيْبٍ مَّا جَاءَ الْآمَنَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِيُصَلِّحَ لِيُغَيِّرَ عَيْبَ بَعْضِ الْأَوَّلِينَ  
 اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے مطلع نہیں کرتا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے  
 امور غیبیہ پر مطلع نہ ہونے کے کلیہ سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں اور جو لوگ ان کے  
 خاص تابع و کامل پیرو ہونگے وہ بھی ان کے ساتھ اس علم میں شریک ہونگے اور وہ  
 جماعت اہل اللہ و صوفیہ کرام کی ہے حسب الارشاد قولہ

أُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ مِنَ النَّبِيِّينَ كَلَّا بَعْدَ مَا نُنَاجِيكَ بِهَذَا  
 انبیاء کے متبعین ان کے ساتھ شریک حال ہیں تو یہ خاص اور خاص العوام اور گونا  
 گیا پوچھا تو بدبجہ اولے ان کے ساتھ شریک ہیں نیز حدیث صحیح ہے کہ  
 الْمَرْغُوعُ مَعَ الْحَبَّةِ  
 یعنی آدمی اسی کے ساتھ شمار ہوتا ہے جو کوہ

چاہتا ہے غرضکہ ایسے بیسیوں نصوص کتاب و سنت کے موجود ہیں جن سے ثابت ہو  
 ہے کہ بہت سارے امور غیبیہ کا علم انبیاء علیہم السلام کی طرح انہی کا ہی پیروی کرنے والوں  
 سے جماعت اہل اللہ و صوفیہ کرام کو بھی ہوتا ہے نیز ان امور غیبیہ کے جو اسرار و اسرار  
 نے جس میں ان پر راقیہ و اسرار و اسرار کے خلاف اسرار

دنیاوی کے خلاف ہے۔

عرض کہ خدا کا علم ذاتی اور ادلیا و ادنیٰ کا علم وہی دیکھی ہے۔

س (۱۷۹) ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سارے انبیاء علیہم السلام فضیلت ہے

کس وجہ سے ہے۔

ج (۱۸۰) کئی لحاظ سے آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ آپ نے جو

تعلیم دی ہے وہ تمام انبیاء و صلحین عالم کی تعلیم سے کائنات اور جامع و مانع اور

ظہر انسان کے عین مطابق بلکہ اس کے مافوق ہے عقل انسانی خواہ کتنی ہی ترقی

کے مگر وہ روحانی یا جہانی ترقی یا تدریجی تعلیم آپ کی تعلیم سے بڑھ کر نہیں دے سکتی

اس نقطہ اتنا ہی ہوگا کہ عقل انسانی کی ترقی اس تعلیم عظمیٰ کے قریب قریب پہنچتی

باقی ہے یا کم از کم اسکو سمجھتی جاتی ہے اور اسکی حیثیت اور صداقت کے قابل

بولی جاتی ہے اسکی وجہ ہے کہ خدا کی مشیت سب سے آگے ہوئی ہے اور

حضور کی تعلیم سب سے تعلیمات ممکنہ کو جامع و شامل ہے اور اسلیح کسی نئی یا پہلے

موجودہ انکی اصلاح اور ہدایت کا دعویٰ نہیں کیا کران میں سے ہر ایک کی اصلاح

خاص خاص قوم کی ہی ہدایت و تعلیم کا دعویٰ کیا جس خاص غرض کیلئے مبعوث کیا گیا تھا۔ بخلاف ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے ہر باگم و ہر ملام دنیا کی ہدایت کیلئے اپنے مبعوث ہونے کا دعویٰ فرمایا اور اپنی ذات سے بہت کچھ عملی طور پر سچ کر دکھایا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ . یعنی ہمیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت کے لئے سارے جہانوں کیلئے اور حدیث بعثت لا تُثمُّ مَکَانًا مَّا لَخُلَاقِ کَانِیْرُخُو حُضُورَکَ اِشْرَاقِ ارشاد پاک ہے کہ اُرْسِلْتُ اِلَى النَّاسِ کَافَّةً یعنی میں بھیجا گیا ہوں ساری دنیا کے لوگوں کیلئے عموماً یہ تو تعلیم و علم کا لہجہ تھا اس لیے عمل اور اپنی ذات سے تمام دنیا کے لوگوں کے لئے کمال انسانیت اور تہذیب و تمدن و اخلاق کا صلہ اور کمال ظاہری و باطنی کا عملی ثبوت دینا سوزہ بھی مثل تعلیم محمدی کے اپنی آپ ہی نظیر ہے اور ساری دنیا کے علمین و انبیاء کے طرز عمل اپنی ذہنی و عملی بجلی کی روشنی و اہل کر دیکھئے تو آپ کو اس طرز عمل محمدی کی کہیں نظیر و مثال اہل طریقہ نہیں ملے گی کیونکہ حضور اکرم نے تمام مخالفین کے سامنے انسان کمال کا نمونہ اُس بہترین طریقہ اہل آسان ترین طریقہ پر پیش کیا ہے

جسکی نظیر ملنا تو درکنار اسکے لگ بگ بھی کسی فرد کامل میں نہیں پایا جاتا اور بقدر دنیا  
ترقی کرتی جاوے گی ایستقدر اسکی تصدیق و تحقیق ہوتی جاوے گی اور اسکی صداقت و حقانیت کا  
سکہ خلم دنیا کے قلوب پر چمبا جائیگا۔

۔ اگر آپ علوم الہیہ و احوال باطنی کے لحاظ سے ایک نظر ترقیق و تحقیق سے دیکھیں تو  
معلوم ہوگا کہ ذات والاصفات نہ فقط ستر تاج عارفین ہی ہے بلکہ اسکے نام لیوا طبقہ کو جو  
میں جماعت عارفین کا طین کی ٹیلگی جسکی تعداد کا عشرہ عشر بھی کسی دوسری قوم میں نہیں پایا  
جاتا اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو ذرا غور سے کتب تصوف اسلامی و تصانیف عرفان  
محمدی کو اٹھا کر دیکھ لے کہ کیا دوسری قوموں کی تصانیف بھی اسکے مقابلہ میں بلحاظ کثرت  
و بلحاظ معارف و اسرار حقیقت پاؤ پائنگ کا رتبہ بھی پاسکتی ہیں ہرگز نہیں۔  
س (۹۰) تمام کائنات عالم میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتری حاصل  
ہے کہ جو ہے۔

ج (۹۰) حضور کی حقیقت یعنی حقیقت محمدیہ در اہل دینی حقیقت جس سے تمام کائنات  
علم کا تجلہ ہوا ہے اور جس لحاظ سے اسے عرفا و اصطلاحاً عالم اعلیٰ و عقل اول سے

تعبیر کیا جاتا ہے اگر آپکی حقیقت کو بہتر قلم مانو اور ساری کائنات علم کو نقوش جوہر محفوظ پر ثبت ہوئے میں تو ان سے یہ معنی یقیناً مل ہو جائیگا کہ قلم ہی باعث ظہور نقوش ہوتا ہے ورنہ بغیر وساطت قلم کے ان نقوش گونا گوں کا ظہور امر ناممکن و محال ہے۔  
 پھر ایسی ذات والاصفات کی برتری میں یہ کیسے ہو سکتا ہے جسکا وجود اولاً و آخراً باعث ظہور عالم اور باعث ظہور خدا الہی ہے۔

اس آقائے نامدار کی غلامی قبول کرنے والوں نے جس طرح خدا کو سمجھا لیا کو سمجھا یا ہے اسکی نظیر کسی سابق زمانہ میں نہیں مل سکتی ۵

غلامِ زکریا کہتے تو تاجدار اند - خراب بادۂ لعل تو ہوشیار اند

چہ وصف کت ربۃ تام - علیک الصلوۃ ای نبی و اسلام

س (۹۹) خرقہ کی حقیقت کیا ہے۔

ج (۹۹) خرقہ لغت عربی میں پھٹے پرانے کپڑے کو کہتے ہیں یا وہ لباس جو تن پہننے والوں سے سیاحانہ اور اصطلاح مونیہ میں خرقہ مہین کپڑے کا نام ہے جو کہ  
 دکانیں عام طور پر لیے رنگ کا یا کوئی رنگ کا ہے مرشد صاحب نے مجھے مریدانہ حرم

اسکی عنایت و توجہ زیادہ ہوتی بطورِ علامت مریدی یا خلافت کے پہناتا تھا اگرچہ یہ رسم  
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین میں مہجور نہ تھی مگر بعد بزرگان  
دین نے ایک گمراہی صلت کی بنا پر اسکی بنا ڈالی اور وہ یہ ہے کہ مرید دراصل اپنے  
آپ کو مرشد کے ہاتھ پر گویا بیچ ڈالتا ہے یا یوں کہئے کہ وہ مرشد کو اپنے احوال و دین و دنیا  
دیکھ بھال کرنے کی وجہ سے ایسا سمجھتا ہے جیسا کہ بچہ اپنے والدین کے ہاتھ میں ہوتا ہے  
کہ اسکی حالات کی نگرانی ہر آن اس باپ ہی کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اُسے جو کھلائیں کھاتا ہے  
اور جو پہنائیں پہنتا ہے ایسی طرح مرید خالص کی حالت اسد بچہ پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے  
شیخ کی بلا مرضی کوئی کام نہیں کرتا حتیٰ کہ لباس میں بھی وہ اسکی مرضی کے تابع  
ہوتا ہے اور بطورِ شعار کے شیخ اپنے مرید کو اپنا لباس پہنا دیتا ہے کہ اب تم ہر طرح  
اپنی مرضی سے نکل کر میری ہی مرضی کے تابع ہو گئے تو گویا کہ وہ اپنی حالت خود اختیاری  
سے نکل کر میرے تابع ہو گیا اور درجہ فانی الشیخ کو پہنچ گیا ہے اور چونکہ شیخ کامل  
کمال شیعہ سنت نبوی و شریعت مصطفوی ہوتا ہے تو اب مرید کے حق میں ایسی شیخی  
احسان کامل کرنا گویا عین اتباع کامل شریعت نبوی و سنت مصطفوی ہوتی اور عین

مقصود شریعت ہے لہذا اسکا جو شمار ہوگا وہ بھی مقصود شریعت میں داخل ہوگا۔ اگرچہ  
یہ رسم خیر القروں میں شائع تھی مگر اسکی اصل شریعت میں موجود ہے جو مذکور ہوئی۔  
س (۱۰۰) خانقاہ کی حقیقت اور اسکے لوازمات کیا ہیں۔

ج (۱۰۰) خانقاہ کی اہل عہد نبوی کے ان حضرات فقراء صحابہ سے ہے جو گھر دار رہتے  
تھے اور جنکا کام رات دن دربار نبوی کی حضوری اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار  
پُرانوار سے مستفیض ہونا اور احکام خدا و رسول کی بجا آوری کیلئے ستر پائاستعد و کمر بستہ  
رہنا تھا یعنی انہوں نے بجا آوری ارشادات نبوی کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا  
انہیں کا نام تھا اہل صفہ جو مسجد نبوی کے کسی مقام سایہ دار میں رہا کرتے تھے جسکو صفہ  
کہتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکثر خانقاہیں مسجد ہی کے متصل تعمیر کیجاتی ہیں۔  
نیز خانقاہ کو عربی میں رباط کہتے ہیں اور رباط کسے معنی ہیں سرحد پر دشمن کے کچھ  
بھال کے لئے پڑاؤ ڈالے ہوئے رہنے کے۔ ان حیثیات کے رو سے خانقاہ میں  
رہنے کی عادت جو صوفیہ کرام کی چلی آئی ہے اسکا اصل منشاء مقصود یہی ہے کہ  
مرشد کامل کی محبت اور جماعت سالکین اور مجاہدوں کی رفاقت سے مستفیض ہو جائے۔



احکام و احکامات کی بنا پر ترقی و ترقی کا چاہنا اور ترقی کا چاہنا

سب سے پہلے یہ کہ میں نے اپنے شیطان کو ہر وقت دیکھ رہا ہوں۔

میں نے محسوس کیا ہے کہ میں نے ہمیشہ اپنے کو ہوشیار و مستعد و مکرمت

رکھیں ارشاد خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا

صبر کرنے والوں کا ساتھ دو اور ہمیشہ دینی دشمنوں کی روک تھام میں مصروف رہو۔

سہارا بناؤ جو صوفیہ کیا ہیں۔

بخ (۱۰۱) یہ پہلے بار بیان ہو چکا ہے کہ صوفیہ کرام دراصل سچے پیروان اسلام کا نام

جنہوں نے ظاہر و باطن اپنے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے

اور سرکاری کے اخلاق سے متصف ہونے کیلئے مخصوص و وقف کر دیا تھا لہذا ان کے

اخلاق پر تو اخلاق مبارک نبوی ہیں اور یہ ثابت ہے کہ حضور کے اخلاق مبارک تبارک

قرآن ہی قرآن تھے جب حدیث کا مختلف القراءات۔

لہذا ہدایات و تعلیمات قرآن کا مجسم نمونہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی

یہی سبکی پرتو علی اکمل الوجوہ صوفیہ کرام کے اخلاق میں ملتی ہے اور یہی  
 معنی ہیں اس ارشاد کے جو وار ہے۔

تَخْلُقُ بِالْخَلْقِ اللّٰهُ ..... میں نے اخلاق خدا سے متعلق و متصف ہو جاؤ گے  
 یہ ظاہر ہے کہ اخلاق اللہ کا آئینہ قرآن پاک ہے جس کا سربراہ خلق نبوی ہونا مسلم ہونا  
 غرضکہ اخلاق صوفیہ غیر اخلاق نبوی نہیں ہو سکتے جس کا سربراہ قرآن سے اور جو اخلاق  
 جامع اور بنیاد آئینہ کے ہے لہذا اخلاق صوفیہ محض قرآن ہی کی روشنی میں واضح ہو  
 ہیں اور اسی کی تعلیمات فاضلہ و ہدایات کاملہ کا سربراہ ہیں۔

س (۱۰۲) اربعین یعنی چلہ کی اصل اور اسکی حقیقت کیا ہے اور اسکے کیا فوائد ہیں۔  
 ج (۱۰۲) جانتا چاہئے کہ چلہ کی اصل قرآن پاک کے اس ارشاد سے ثابت ہے جو  
 قصہ حضرت موسیٰ میں مذکور ہے قولہ تعالیٰ۔

وَإِذْ طَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَقَمْنَاهَا بِعَشْرِ فَرَسِمَاتٍ سَبْعَةٍ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً اور پھر پورا کیا انھوں نے چار سو راتوں سے اس طرح  
 پورا ہوا وعدہ ان کے سب کا چالیس راتوں سے یعنی علوم و اسرار الہیہ جو بصورت

ترجہ تورات حضرت موسیٰ کو ملنے لے تھے وہ ان پائیس راقوں کی تنہائی کے وعدہ کے  
پاکار نے کے بعد انہیں حاصل ہوئے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم اسرار ربانی جو بصورت قرآن پاک حاصل  
ہوئے وہ آپ کی خارجہ و باطنی عزائی کے بعد حاصل ہوئے جو آپ سے قبل بعثت و دعویٰ  
نہیں تھے صحیح حدیثوں میں ثابت ہے یہ تو اسکی اہل ہوئی جو قرآن و حدیث سے مستنبط  
ہوتا ہے لیکن اب اسکی حقیقت و اصل غرض بھی جاننا چاہئے پس اہل غرض اسکی  
وضع سے وہی خلوت دلی باندا اور تنہائی اور جمعیت حاصل کرتا ہے جو صوفی کا لازم  
ہے کیونکہ آپ پہلی تعزیروں میں پڑھ چکے ہیں کہ صوفی کا کام باوجود مشاغل زندگی  
مقلد کے جو حقوق العباد سے متعلق ہیں ہر دم خدا ہی سے لو لگائے رہنا ہے اور یہ  
حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ مشاغل زندگی میں رکھو جو موجب تفرقہ دل ہے جمیع غم  
پیدا کرنے کاگز نہ سیکھ لے کیونکہ یہ مشاغل ہمیشہ دل کی توجہ کو ہٹائے رکھنے کے جو  
اور خدا سے مسلسل لو لگائے رکھنے سے مایوس ہوتے ہیں لہذا اس میں کبھی پیدا کرنا  
ایک بہترین ذریعہ ٹھہرایا گیا جو اب ہم سے کہ اس سے انسان کو آہستہ آہستہ ظاہری

و جسمانی طور سے سب سے الگ تہلک رکھ کر ذکر و فکر خداوندی میں مصروف رہنے کی تہذیب  
 پڑتی ہے جو رفتہ رفتہ اسکا مونس و محرک ہو جانے کے بعد اس سے جو وحشت طبعی پیدا  
 ہوتی ہے وہ جاتی رہتی ہے اور مسلسل مدام ذکر و فکر خدا میں مصروف رہنے کا عادی ہو جاتا  
 ہے اور پھر تدریج مشاغل میں مصروف رکھ کر یہی خلوت با خدا اور اسی سے لو لگائے  
 رہنے کا ڈھنگ سیکھ جاتا ہے جسے خلوت و انجمن کہا جاتا ہے اور یہی پیر صفی کامل کا  
 جو کامل و جامع سنت و سیرت نبوی ہوتا ہے عین مقصود ہے کیونکہ وہ جن سطح خدا کی  
 یاد سے کسی آن غافل نہیں ہو سکتا اور اتنا ف حقوق اللہ کا ترک نہیں ہو سکتا اس لیے  
 وہ حقوق العباد و معاشرت با خلق کے اصول شرعی کو باقی رکھنے میں دیکھتا ہے  
 یہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ خلوت و انجمن کے گرو سیکھ لے اس کیلئے  
 اربعین سے بھر کوئی دیر نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ اگر غور کیا جاوے تو مشر و میت  
 اعتکاف کا جو صلہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں امام عبادت تھی اور نیز  
 صلہ رمضان کا راز کھلتا ہے کہ سطح آدمی اعتکاف میں حدود و محول سے تیار کر  
 کر ذکر و فکر میں مصروفیت کا عادی ہو سکتا ہے اور علیٰ ہذا روئے کی حالت میں تہذیب

از قسم اکل و شرب و جماع وغیرہ سے محض خدا ہی کیلئے باز رہنے اور نفس کی سرکشی کو ٹوڑنے کی عادت پڑتی ہے اب اس تقرر سے آپ کو اُن منافع و نفع کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ایک صوفی اور طالب حق کو اس اربعین کی تہائی و خلوت سے حاصل ہو سکتے ہیں جنہی تفصیل موجب تطویل ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی الصَّوْمُ لِي وَ اَنَا احْرَى بِهِ۔ اسی کے طرف اشارہ ہے۔

س (۱۰۳) صوفی مجدد اور صوفی متاہل کے کیا احوال ہیں۔

ج (۱۰۳) اے حنیف کہ صوفی مجدد نسبت صوفی متاہل کے زیادہ سبکدوش اور اہل و عیال کے فتنوں اور گونا گون پریشانیوں سے خارج غالباً ہے لہذا اسے توجہ الٰہی کا بظاہر خوب موقع ملتا ہے مگر یہ بات آپ پہلے تقریروں میں پڑھ چکے ہیں کہ صوفی کا کمال وہ ہے کہ وہ تیج سنت نبوی و سنت مصطفویٰ پر حقوق اشد و حقوق الباقی و دلوں کو نہایت عمدہ طریق سے پورا کرے اور دونوں جانب اثر ادا و تقریب کو عمل میں لائے دے اور خلوت و راجح کا مذاق جو انبیاء و کرام و اولیاء کاملین کو حاصل تھا وہ کسی متاہل کو اور یہ بات مجدد میں حاصل ہو نہیں سکتی مصلح ایک صوفی متاہل

حاصل ہوتی ہے کیونکہ باوجود موانع کے جب وہ ہر آن توجہ الی اللہ کو قائم رکھتا ہے تو اس کا  
درجہ عجب حدیث

احِبُّوا لِكُلِّ شَيْءٍ حَقَّهُ حَتَّى تَكُونَ لَكُمْ مِثْلُ حَقِّهِمْ (محبوب ہو جاؤ ہر چیز کے حق کو جس قدر کہ تمہاری حق ہو) یعنی پسندیدہ ترین اعمال اللہ کے پاس وہ ہیں  
جنہیں سخت ترین مشقت ہو خدا کے ہاں بڑھ جائیگا اور یہ ظاہر ہے کہ جتنی تحقیق  
ایک صوفی متاہل کو پیش آئیگی وہ صوفی مجرد کو پیش نہیں آتی

— چنانچہ اس لئے انسان کامل کا درجہ فرشتوں سے کہیں بڑا ہی بڑا ہے کیونکہ اس کی  
گردن پر مشاغل زندگی و جسمانی کامیابی بوجھ ہے جو موانع توجہ الی اللہ ہے بخلاف  
فرشتوں کے کہ وہ ان جھگڑوں سے فارغ البال اور سبکدوش ہیں حال یہ کہ صوفی  
متاہل کا درجہ صوفی مجرد سے بڑھ کر ہے بشرطیکہ وہ اہل و عیال کیساتھ جمالیست و  
وفاطت میں خدا کے ال سے نہ بگاڑ کرے اور برعکس توجہ الی اللہ کو اہل و عیال سے بگاڑ  
وے اور اہل و عیال کی جو کچھ خدمت کرے اور ان کے ساتھ جو سلوک کرے وہ بھی  
خدا کے عین کی مثال کے خیال سے کہ اہل و عیال کے شغل اس نے لگا دیا ہے  
جب اس خیال میں وہ مجبور ہو جائیگا تو خود یہ غلطی کہ ایک سادہ سا شغل

جو خدمت پرورش الہی و خیال کے متعلق ہیں وہ عین عبادت خدا کے تعلق سے تصور  
 اور باعث ازواج و تقرب خدا ہو جائیں گے۔ نہ مانع تقرب الی اللہ چنانچہ حدیث شریف  
 اَنْ لِّنَفْسِكَ عَلِيْكَ حَقًّا وَاَنْ لِّزَوْجِكَ عَلِيْكَ حَقًّا میں اسی طرف اشارہ ہے۔

س (۱۲) مرید کو شیخ کے ساتھ اور شیخ کو مرید کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے۔

ج (۱۳) یہ پہلے واضح ہو چکا ہے کہ شیخ حسب مقولہ الشیخ فی قومہ کما لینی فی  
 استہدایہ اپنے مریدین میں وہی رتبہ رکھتا ہے جو پیغمبر اپنی امت میں رکھتا ہے۔ کیونکہ

شیخ خدا کی پیغمبری کا نائب ہوتا ہے والنائب کالمنبیٰ نیز بیعت کا مقتضایا

سابق میں گز چکا ہے کہ مرید اپنے آپ کو شیخ کے ہاتھ پر گریباچ ڈالتا ہے اور

اس طرح گویا وہ مثل مرید کے زندہ کے ہاتھ میں یا مثل ایک بچے کے ماں باپ کے ہاتھ

میں ہے یعنی خود اختیاری سے ظلم و شیخ کے اختیار میں چلا جاتا ہے۔ لہذا

اب اس کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ مرید کو شیخ کے ساتھ کیا آداب بری رکھنے چاہئیں

بلکہ واجب شیخ مرید کے تمام معاملات دینی و دنیوی کے خیر و کل کا الکل و مصلحت

و مصلحت دینی و دنیوی کا اظہار ہے کہ اسے اپنے مرید پر وہی کمال شفقت و مروت

لازم ہوئی جو ماننا پ کو اپنے بچے پر ہونی چاہئے یا ایک بنی کو اپنے استی پر ہو کر گئی  
 یہ ایک ایسا اصول ہے جسے تحت سیکڑوں فروعات آجائینگے جسکی تفصیل کی یہاں گنجائش  
 نہیں کتب تصوف اس سے مٹو ہیں نہ وہ اعمال تقبذ و تذلل جو عام طور پر آج کل گدہ  
 مرشدین اپنے مریدین سے لیتے ہیں۔

س (۱۰۵) صحبت کی حقیقت اور اسکی ضرورت کیا ہے۔

ج (۱۰۵) صحبت ہنشین کو کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آدمی فطرۃً ذی الطبع پیدا کی  
 وجہ سے ہمیشہ کسی نہ کسی کی صحبت میں ضرور رہتا ہے اور تنہائی سے طبعاً گریز میں ہوتا  
 مگر چونکہ یہ بھی ایک مسلم و متفق علیہ بات ہے کہ آدمی فطرۃً اپنے بچپن سے لیکر بڑے تک  
 ہمیشہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح ہے۔

عَلَّ مَوْلَاهُ يُولَدُ لِحَالِهِ الْقَطْرَةِ۔ یعنی ہر بچہ فطرۃً اسلام ہی پر پیدا ہوتا ہے  
 فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدُ بِهِ وَيَأْتِيهِمْ آيَاتُ الْكُرْآنِ وَيَجْعَلُهُ يَهُودِيًّا يَتْلُو آيَاتِهِ يَنْصَرِفُ إِلَى هَؤُلَاءِ وَيَجْعَلُهُ نَصْرَانِيًّا يَتْلُو آيَاتِهِ يَنْصَرِفُ إِلَى هَؤُلَاءِ  
 اس کے  
 اس باب ہی بتاتے ہیں صحیح اس بات پر ناظر ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے انسان کو  
 پیدا ہوتے ہی والدین و دیگر اقربا ہی کی صحبت ملتی ہے جن کے عادات و رسوم انسانی



وہ متاثر ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ ہوشیار ہوتا ہے تو اسی طریقہ پر چلتا ہے جس طرح  
 مانباپ وغیرہ چلتے ہیں جب یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ غلط انسانیت میں یہ مادہ متاثر  
 ہو نیکار کھا گیا ہے تو ضرور ہوا کہ آدمی جس قسم کے فن کا ماہر بننا چاہے تو اسی قسم کے لوگوں کی  
 صحبت اختیار کرے تاکہ ان لوگوں کے اعمال کے حالات کو دیکھ کر اس کی طبیعت  
 متاثر ہوتی رہے اور آئندہ چل کر وہ کسی ماہر فن اور کامل بن جائے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کی پہلی نصیحت مریدین کو صحبت غمخیز

اختر کرنے کی نسبت ہے۔ شعر

صحبتِ صاحبِ ترا صاحبِ کسند      صحبتِ طامحِ ترا طامحِ کسند

لہذا صوفیائے کرام و صاحبینِ عظام کی صحبت عام طور پر ب کو یا خصوص مریدِ طالبِ حق کو  
 سب سے زیادہ ضروری اور اہم خیلتے ہیں اگر یہ ناممکن ہو تو کم از کم دیکھیں جنسِ صحبت سے  
 اختیار و اجتناب ہو گا۔ علیٰ ہذا چونکہ کتبِ مینی بھی گویا ایک طرح سے مصنفین کی صحبت میں  
 داخل ہے۔ لہذا اولیاءِ کرام کی تصانیف کا مطالعہ بھی ایسے لوگوں کیلئے بہترین صحبت  
 کا لین نصیب نہو با ضروری اور عنایت ہے جو ایک گونہ صحبت کا لین کا فائدہ دیتا

غرضکہ طریق تصوف میں جو ہمارے دین اسلام کا اعلیٰ درجہ ہے صحبت صاحبین بہ بین  
 اس قدر تاکید و تشدید ہے جو کسی دیگر شے کی نہیں۔ انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت  
 عرب کے چند بدویوں و بہائیوں کو کس طرح سراج صاحبین عالم بنا دیا تھا اور آج بھی ہم سب  
 یہ کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے ولی بھی کسی صہابی کے درجہ کو فضیلت میں نہیں  
 پہنچ سکتے یہ محض صحبت ہی کی برکت نہیں ہے نہ اور کیا ہے۔

پرنوٹ بابدان نشست      خاندان نبوتش گم شد  
 سگیا صاحب کیف و جوش      پئے نیکار گرفت مردم شد

## سراقرم الحروف

بندہ ناچیز خاکپائے حضرت تادریہ شطاریہ قدس سرہما حاجہ آثم شاہ محمد ابوالکلام کلان و دادا نا

مقام

اندر دہن احاطہ موسیٰ ماؤلی بلبلہ جلیلی علم

۲۹/۲۱۶  
 (المردوم) ۲۴ صفر ۱۳۳۹ یرم ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۰